ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۵ء

عصر حاضر میں دعوت دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار

سید جلال الدین عمری

مصحف عثمانی کی تدوین: چند تحقیق طلب سوالات

مولانا محمد عمار خاں ناصر

تدوین قرآن مجید کی روایات کا تجزیہ

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

عہد نبوی میں یمن میں اشاعت اسلام

حافظ محمد سرفراز غنی

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حاشیۂ صحیح بخاری

ڈاکٹر محمد سلیم

تفسیر المبصر لنور القرآن۔ایک تعارف

ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

۲ اہم کتابیں

اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام .... ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

نکاح کے بغیر جنسی تعلق، جنسی بے راہ روی و زنا کاری، رحم مادر کا اجرت پر حصول، ہم جنسیت، مصنوعی طریقہ ہائے تولید، اسپرم بینک، رحم مادر میں بچیوں کا قتل، گھریلو تشدد، اولڈ ایج ہوم، پلاسٹک سرجری اور عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال جیسے جدید ترین مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کرنے والی ایک تحقیقی کتاب۔

• سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات : 256 • قیمت : 140.00

احیائے اسلام، مفہوم، مسائل اور تقاضے .... مولانا محمد جرجیس کریمی

کتاب کے پہلے باب میں قرآن مجید کی روشنی میں دین کی ناقص پیروی کے محرکات، مظاہر اور اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں مسلمانوں کی عالمی سیاسی صورت حال کا جائزہ اور اس کے اسباب و تدارک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد کے باب میں اسلام کی ہدایت اور ہمہ گیری اور اسلام کے حرکی تصور کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک باب میں یہ وضاحت ہے کہ تجدید، تجدد اور جدیدیت سے جداگانہ چیز ہے۔ آخر کے باب میں عصر حاضر میں تجدید دین کے تقاضوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

• سائز : $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات : 144 • قیمت : 85.00

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس ۹۳ علی گڑھ ۲-
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز D-307 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ــــــــــــــــ دسمبر ۲۰۱۵ء

مدیر

سید جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ــ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۴ شمارہ: ۴

محرم الحرام ـــــــــــ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ

اکتوبر ـــــــــــ دسمبر ۲۰۱۵ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کردیے گئے ہیں
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

فون: 0571-2902034 موبائل: 09897655171

ای میل tahqeeqateislami@gmail.com tahqeeqat_islami@yahoo.com :

ادارہ کا اکاونٹ:

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami
A/C No. 1214740843
Central Bank of India, Dodhpur Br., Aligarh
IFSC Code: CBIN0281291

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۴۰ روپے
سالانہ	۱۵۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۶۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں و ادارے)	۲۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰ امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۲۵ امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵ امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰ امریکی ڈالر

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی۔۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار | سید جلال الدین عمری | ۵

تحقیق و تنقید

مصحف عثمانی کی تدوین: چند تحقیق طلب سوالات | مولانا محمد عمار خاں ناصر | ۱۷

تدوینِ قرآن مجید کی روایات کا تجزیہ | پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی | ۴۳

بحث و نظر

عہدِ نبوی میں یمن میں اشاعتِ اسلام | حافظ محمد سرفراز غنی | ۵۵

سیر و سوانح

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حاشیۂ صحیح بخاری | ڈاکٹر محمد سلیم | ۷۳

ترجمہ و تلخیص

تفسیر المبصر لنور القرآن—ایک تعارف | ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید | ۸۹
مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

تعارف و تبصرہ

تحقیقات مسایلِ میراث | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | ۱۱۱

دستاویزاتِ مشاورت | محمد علم اللہ | ۱۱۲

خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۵۷) | ۱۱۵

فہرست مضامین و مضمون نگاران تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۴، ۲۰۱۵ | ۱۱۷

مقالات کا انگریزی خلاصہ | ۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ مولانا محمد عمار خاں ناصر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، گفٹ یونی ورسٹی گوجرانوالہ (پاکستان)

ammar_nasir@hotmail.com

۲۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سابق چیرمین، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

m nzdigitalpoint@gmail.com

۳۔ حافظ محمد سرفراز غنی

پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد (پاکستان)

hafizsarfraz786@yahoo.com

۴۔ ڈاکٹر محمد سلیم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات (سنّی) مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

msaleem196330@gmail.com

۵۔ ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید

ایسوسی ایٹ پروفیسر، قسم اصول الدین، کلیۃ الشریعۃ، جامعۃ الشارقۃ (UAE)

۶۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

mrnadvi@yahoo.com

۷۔ جناب محمد علم اللہ اصلاحی

E-26، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

alamislahi@gmail.com

۸۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی وامیر جماعت اسلامی ہند

حرف آغاز

عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار

سید جلال الدین عمری

نومبر ۲۰۱۴ء میں مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند، جماعت اسلامی پاکستان کی دعوت پر اس کے سہ روزہ آل پاکستان اجتماع عام (۲۱–۲۳ نومبر) میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر ۲۰ نومبر کو انھیں پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں قائم شیخ زاید اسلامک سینٹر میں لیکچر کے لیے مدعو کیا گیا۔ یہ سینٹر متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابوظبی کے حکم راں شیخ زاید بن سلطان النہیان کی مالی امداد سے قائم کیا گیا ہے۔ لاہور کے علاوہ کراچی اور پشاور میں بھی یہ سینٹر قائم ہے۔ اس کے تحت ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کورسز کے علاوہ عربی زبان اور شریعت کے ڈپلوما کورسز بھی چلتے ہیں۔ الاضواء کے نام سے ایک شش ماہی سہ لسانی (اردو، عربی، انگریزی) جرنل بھی شائع ہوتا ہے۔

اس سفر میں راقم سطور کو مولانا محترم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ صبح دس بجے ہم سینٹر پہنچے تو وہاں کے اساتذہ نے ہمارا استقبال کیا۔ سینٹر کا ہال، جس میں تقریباً پانچ سو نشستیں تھیں، کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سامعین میں نصف سے زائد تعداد طالبات کی تھی۔ مولانا نے 'عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور طریقہ کار' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ لیکچر کے بعد ہندوستان میں دعوتِ دین کی آزادی، ہندوستانی مسلمانوں کے حالات، اسلام میں آزادیٔ رائے کے حدود وغیرہ کے تعلق سے سوالات کیے گئے، جن کے مولانا نے جواب دیے۔ بعد میں تھوڑی دیر سینٹر کے اساتذہ کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی۔ سینٹر کے ڈائرکٹر جناب اعجاز احمد صاحب نے اساتذہ کی تصنیفات کا ایک ایک سیٹ مولانا اور راقم سطور کو عنایت کیا۔

مولانا کے خطاب کو ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔ اسے نقل کرکے موصوف کی نظر ثانی کے بعد افادۂ عام کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ **(رضی الاسلام)**

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله و صحبه اجمعین و من تبعهم باحسان الی یوم الدین، اما بعد:

اسٹیج پر تشریف فرما ذمہ دارانِ شعبہ، محترم اساتذۂ کرام، عزیز طلبہ وطالبات!

پنجاب یونی ورسٹی دنیا کی ان چند یونی ورسٹیوں میں سے ایک ہے جنھوں نے اسلام اور اسلامی تاریخ پر گہرے نقش چھوڑے ہیں۔ مجھے دس سال قبل یہاں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔اب دوبارہ حاضر ہونے کا موقع ملا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور ذمہ دارانِ شعبہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے یہ موقع فراہم کیا۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اس وقت — دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار — کے موضوع پر مجھے اظہار خیال کرنا ہے۔

دعوت کی ضرورت

محترم اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ وطالبات!

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور قرآن نے اسے اسی حیثیت سے پیش کیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا یہی دین رہا ہے۔ اس کے بارے میں ہمارا ایمان ویقین ہے کہ اسی سے انسان دنیا میں شستہ اور شائستہ زندگی گزار سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ آخرت کی فلاح وکام رانی اس کے حصہ میں آسکتی ہے۔ اس دنیا میں بہتر اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے اسلام کے سوا دوسرا راستہ نہیں ہے اور آخرت کی کام یابی کا بھی اسی پر انحصار ہے تو یہیں سے دعوت کا آغاز ہوجاتا ہے۔ یہ بات کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور ہر شخص کے لیے ہے، اس کا منطقی تقاضا ہے کہ وہ سب تک پہنچے۔ ہر ایک کو معلوم ہو کہ اسلام ہی اس کے لیے راہِ نجات ہے۔ اس کے علاوہ نجات اور کام یابی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ ورنہ کوئی بھی شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ میری کام یابی اسلام سے وابستہ ہے۔ میں کیسے اس پر عمل کرتا؟ یہ فطری سوال ہے۔ اس کا جواب دعوت ہی میں پوشیدہ ہے۔

بعثتِ انبیاء کا مقصد

قرآن نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ صحیح راستہ کیا ہے اور اسلام ہی میں میری کام یابی ہے:

رُسُلاً مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُونَ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النسائ:۱۶۵)

(یہ رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان کی بعثت کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کے جو رسول آئے وہ بشارت دینے والے تھے۔ یعنی وہ یہ بتاتے تھے کہ اللہ کے دین کو قبول کرنے سے تمھاری دنیاوی زندگی کام یابی سے ہم کنار ہوگی اور آخرت کی کام یابی بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اسی طرح وہ 'انذار' کا فرض بھی انجام دیتے تھے کہ اللہ کے دین کی مخالفت تمھارے حق میں صحیح نہیں ہے۔ یہ تمھیں دنیا اور آخرت میں ناکام ونامراد کردے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بعثتِ انبیاء کے بعد انسانوں کا یہ عذر ختم ہوگیا کہ وہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اسلام ہی سے ہماری کام یابی وابستہ ہے۔ اب کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اللہ کی مرضی کیا ہے؟ کام یابی کا راستہ کیا ہے؟ اور ناکامی کا راستہ کون سا ہے؟ اس سے لاعلمی اور ناواقفیت کا عذر ہی باقی نہیں رہا۔ قرآن نے ایک جگہ وحی ورسالت اور بعثت انبیاء کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ اِلاَّ نُوْحِی اِلَیْهِ اَنَّه لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیائ: ۲۵)

(اے پیغمبر ﷺ! ہم نے جتنے بھی رسول تم سے پہلے بھیجے ان کے پاس یہی وحی کی جاتی تھی کہ میں ہی تمھارا معبود ہوں، لہٰذا تمھیں میری

ہی بندگی کرنی ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی دعوت کی بنیاد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، اسی کی عبادت ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ انسان کے لیے صحیح نہیں ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ تھا جس کی دعوت وہ دنیا کو دیتے تھے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت صرف یہی نہیں ہوتی تھی کہ لوگ اللہ کی بندگی کریں، بلکہ یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کریں:

وَ لَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ۔
(النحل:۳۶)

(ہم نے جتنے رسول بھیجے انھوں نے اپنی قوموں سے یہی کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔)

'طاغوت' کے معنی سرکش کے ہیں۔ شیطان کو بھی طاغوت کہا گیا ہے اور وہ تمام طاقتیں، جو اللہ کے خلاف کھڑی ہوں، طاغوت کہلاتی ہیں۔ بتوں کو بھی طاغوت کہا گیا ہے، اس لیے کہ بت اللہ سے بغاوت کی علامت ہیں۔ اس آیت میں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے دعوت کا ذکر ہے۔ انبیاء کی دعوت کا ایک پہلو یہ ہوتا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے تھے اور دوسرا پہلو یہ ہوتا تھا کہ وہ طاغوت سے اجتناب کے لیے کہتے تھے۔

عقیدہ اور عمل کی آزادی

آج کی دنیا میں اصولی طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ انسان کو عقیدے اور عمل کی آزادی ہونی چاہیے۔ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور جس مذہب کو ناپسند کرے نہ اختیار کرے۔ اس آزادی کو بنیادی انسانی حقوق (Fundamental Human Rights) میں شمار کیا گیا ہے۔ دورِ حاضر نے اب اس آزادی کے حق کو تسلیم کیا ہے، لیکن قرآن نے آج سے بہت پہلے اسے تسلیم کیا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کے لیے 'تسلیم کرنے' کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں دباؤ کا

مفہوم شامل ہوتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن نے اس کا اعلان کیا تھا کہ انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو مذہب چاہے، اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان میں رکھا ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ اس کو کسی ایک چیز کا پابند نہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکہف ۲۹)

(اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے کہ تمھارے رب کے پاس سے حق آ گیا۔ اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جس کی جی چاہے اس کا انکار کردے۔)

قرآن یا اسلام کو 'حق' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اس کے نزدیک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اللہ کا وجود، اس کی ہدایت، آخرت کا آنا، ان چیزوں کو وہ قیاس نہیں کہتا، بلکہ ثابت شدہ حقائق کہتا ہے، جو دلائل سے ثابت ہیں۔ زمین اور آسمان ان کی گواہی دے رہے ہیں اور عقل ان کی تائید کرتی ہے۔ اسلام دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق ہے، ثابت شدہ ہے، جسے عقل کی بنیاد پر چیلنج نہیں کیا جاسکتا اور دلائل سے اسے شکست نہیں دی جاسکتی، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسے قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (الدھر:۳)

(ہم نے انسان کو سیدھا راستہ دکھادیا ہے۔ اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کا رویہ اختیار کرتا ہے۔)

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا گیا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ (البقرۃ:۲۵۶)

(دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ سیدھے راستے کو گم راہی سے

ممتاز کر کے دکھایا گیا ہے۔ اب جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ
پر ایمان لے آئے اس نے ایک مضبوط رسی تھام لی۔)

جبر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک طبعی جبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنی مخلوقات پیدا کی ہیں، طبعاً وہ مجبور ہیں کہ اللہ کے قانون کی پابندی کریں۔ لیکن انسان کو طبعی طور پر مجبور نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اسے عقل وفہم کی دولت عطا کی گئی ہے۔ اس کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ سیدھا راستہ کیا ہے اور غلط راستہ کیا؟ اس کے نتائج سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ غور وخوض کرے اور دلائل کی روشنی میں صحیح راہ اختیار کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو زندگی کے پیچ وخم میں مضبوط بنیاد اس کے ہاتھ میں ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اس چیز کی تمنا نہ کیجیے کہ سب ہی لوگ ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اس طرح پیدا کی ہے کہ اس میں اسلام کے ساتھ کفر بھی رہے گا۔ تمام انسانوں کو بہ جبر اسلام پر جمع نہیں کیا جا سکتا:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا، اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ
النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس ۹۹)

(اگر اللہ چاہتا تو (دوسری مخلوقات کی طرح) تمام انسانوں کو ایمان لانے
پر مجبور کر دیتا۔ پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ سب ایمان لے
آئیں۔)

جو آزادی انسان کو دی گئی ہے، اسی کے اندر اس کا امتحان ہے۔ اسلام اس آزادی کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلام کو پیش کریں، اپنی بات دلائل سے ثابت کریں اور لوگوں کو اس پر مطمئن کرنے کی کوشش کریں، لیکن اسے اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا کسی بھی فرد یا گروہ کو حق حاصل نہیں ہے۔ دین کے معاملے میں جبر کی اسلام نے کسی حال میں اجازت نہیں دی ہے۔

یہاں میں چاہتا ہوں کہ مختصراً ایک مسئلہ بیان کر دوں۔ اگر کوئی شخص زور زبردستی

کی وجہ سے اسلام قبول کرلے۔ فرض کیجیے کہ اس نے جان کے خطرہ سے کلمہ پڑھ لیا۔ بعد میں وہ کہتا ہے کہ میرے ساتھ زبردستی کی گئی تو اسے اپنے سابقہ مذہب پر واپس جانے کی اجازت ہوگی۔ اسے مرتد ہونے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اسلام لے آئے تو اس کے قبولِ اسلام کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اسلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے یا حکومتوں کے دباؤ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ اسلام کا موقف نہیں ہے۔ ایک تو تاریخ سے اس کا ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے اور اگر خدانہ خواستہ کوئی واقعہ آپ پیش بھی کردیں تو اس کے بارے میں پورے اطمینان کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ ایسا کوئی واقعہ، جس میں کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، شاید تاریخ میں نہ ملے، لیکن چوں کہ ہماری طویل تاریخ ہے اور دنیا کے ایک بڑے حصہ پر ہماری حکومت رہی ہے، اس لیے ممکن ہے، کوئی شخص ایسا کوئی واقعہ تلاش کرکے پیش کردے۔ اس واقعہ کو چیلنج کرنا مؤرخین کا کام ہوگا، لیکن مجھ جیسا طالب علم وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

دعوت کا طریقۂ کار

مجھے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں کہا گیا ہو کہ اسلام کو طاقت کے ذریعے پھیلاؤ۔ اس نے جو راستہ دکھایا ہے وہ یہ ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ، اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔ (النحل: ۱۲۵)

(آپ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجیے، حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور مباحثہ کیجیے ایسے طریقے سے جو عمدہ ہو۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے

والوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔)

حکمت کے معنی ہیں فہم و بصیرت اور دلائل کے ساتھ، کسی چیز کی تہہ تک پہنچ جانا، اس کی باریکیوں کو تلاش کرنا، اس کی معنویت کو سمجھنا۔ اس آیت میں تین باتیں کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ آپ اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیجیے حکمت کے ساتھ، دلائل کے ساتھ، دین کی معنویت کو واضح کر کے یا عصری تعبیر میں اس کی فلاسفی بیان کر کے اور اس کی معقولیت کو واضح کر کے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس کے لیے آپ وعظ و نصیحت بھی کر سکتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان وعظ و نصیحت سے بھی متاثر ہوتا ہے، خیر خواہی کے ساتھ اسے نصیحت کی جائے تو اسے قبول کر لیتا ہے۔ اس میں انسان کی عقل سے زیادہ اس کے دینی جذبات سے اپیل کی جاتی ہے اور اسے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے۔ تیسری بات یہ کہی گئی کہ جب گفتگو کی ضرورت پیش آئے تو بہتر طریقہ سے گفتگو کی جائے۔ گفتگو ایسی نہ ہو جس سے معلوم ہو کہ آپ مخالف کی بات سننا نہیں چاہتے یا ردّ و کد ہو اور بحث کو غلط رخ دینے کی کوشش کی جائے۔ قرآن نے کہا کہ اگر کوئی اسلام کو سمجھنا چاہے تو آپ اس سے بہتر طریقے سے گفتگو کیجیے۔

مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ

آج کل کہا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ ہونا چاہیے۔ اس کی بنیاد اسلام نے رکھی ہے۔ مذکورہ آیت مشرکین سے خطاب کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اہل کتاب سے بھی گفتگو کی نوبت آئے تو تمھیں گفتگو کا یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ فرمایا گیا:

وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (العنکبوت: ۴۶)

(اور اہل کتاب سے مباحثہ نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔)

اہل کتاب سے بحث و گفتگو جس احسن طریقہ سے کرنے کی ہدایت ہے، یہی طریقہ ان مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی اختیار کیا جائے گا جو اپنے پاس آسمانی

کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بحث و گفتگو کے سلسلے میں یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اگر آپ محسوس کریں کہ بات کا رخ غلط سمت میں ہے اور اسے صحیح طریقے سے سمجھا اور سمجھایا نہیں جا رہا ہے اور کٹ حجتی کا راستہ اختیار کیا جا رہا ہے تو اس کا سلسلہ منقطع کر دیجیے۔ اس سلسلے کی تفصیلی ہدایت سورہ انعام میں دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (الانعام: ۶۸)

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں بے معنی بحثیں کر رہے ہیں تو ان سے رخ پھیر لو۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اگر شیطان تمھیں اس بات کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔)

ان آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہی بنیاد ہیں دین کی دعوت کی۔ ان ہدایات کو ہمیشہ ہمیں اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کارِ دعوت کے لیے علمی وفکری تیاری کی بڑی اہمیت ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ اسلام ہی دین حق ہے اور اسی میں انسانوں کی نجات ہے تو آپ کا مجرّد یہ دعویٰ علمی دنیا میں قابلِ قبول نہیں ہوگا اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرنے کے موقف میں ہوں اور حریف کے دعویٰ کو دلائل کے ساتھ رد کرسکیں اس کے بغیر آپ کی بات پہلے بھی قابل قبول نہیں ہوتی تھی اور آج بھی نہیں ہوگی۔ اس کے لیے آپ کو دوسرے مذاہب کے بارے میں علم ہونا چاہیے۔ ان کے پاس کیا دلائل ہیں؟ دنیا کے بارے میں وہ کیا سوچتے ہیں؟ ان کے ہاں مُکتی اور نجات کا کوئی تصور ہے تو کیا ہے؟ اس کی ان کے پاس کیا بنیاد ہے؟ ان کے یہاں آخرت کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ رسالت کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ توحید کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے، اس کے لیے آپ کو ان مذاہب کا کافی مطالعہ اور اسٹڈی کرنی ہوگی، تبھی آپ اس پوزیشن میں ہوں گے کہ اللہ کے دین کو اس کے بندوں کے سامنے پیش کرسکیں۔

دعوت کا کام پوری امت کا ہے

اس کام کو قرآن میں پوری امت کا کام بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے وہ چیز پیش کی جائے جس میں ان کا دنیا و آخرت میں بھلا ہو۔ انھیں بتایا جائے کہ بھلائی کس چیز میں ہے؟ ان کا مفاد کس چیز میں ہے؟ آگے اس کی تشریح کی گئی کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ایک جامع اصطلاح ہے۔ معروف سے کچھ خاص بھلائیاں یا منکر سے مخصوص خرابیاں مراد نہیں ہیں، بلکہ ان الفاظ میں پورا دین آجاتا ہے۔

دراصل یہ کام پوری امت کا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مشن پر مامور سمجھے۔ امت کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر دعوت دین کا کچھ نہ کچھ کام کرسکتا ہے، لیکن امت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس کے لیے ایسے افراد تیار کرے جو اس کام کو کما حقہ انجام دے سکیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ تمھارے اندر ایک جماعت اس کام کے لیے مخصوص ہونی چاہیے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۰۴)

(تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائے سے روکتے رہیں۔)

یہ دونوں باتیں اسی لیے کہی گئی ہیں کہ امت اس ضروت کو محسوس کرے اور ایسے لوگوں کو تیار کرے جو یہ کام انجام دے سکیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ امت دنیا کی بہت سی باتوں پر غور کرتی اور کبھی عمل بھی کرتی ہے، لیکن یہ بات کہ یہ امت اس دنیا

میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے وجود میں آئی ہے، اس کا کم ہی احساس ہے اور اس کے لیے افراد اور پوری ایک جماعت کو تیار کرنے کی جیسی فکر ہونی چاہیے، افسوس کہ وہ نظر نہیں آرہی ہے۔

'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' حکومت کی ذمہ داری ہے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر جہاں افرادِ امت کی ذمہ داری ہے وہیں اسلامی حکومت کی بھی ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اہل ایمان کو اقتدار دینے کا ذکر ہے وہاں کہا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔ (الحج:۴۱)

(یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اقتدار دے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔)

علماء نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے کہ ریاست کی کیا ذمہ داری ہے؟ آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار کو اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ حکومت کے جو سربراہ ہوں ان کا فرض ہے کہ خود بھی نماز کے پابند ہوں اور امت کو بھی نماز کا پابند بنائیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کا نظام قائم کریں اور 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' کا فریضہ انجام دیں۔ اس کام کی طرف جب پوری امت متوجہ ہوگی تو حکومت بھی متوجہ ہوگی اور پھر دنیا کے اندر اشاعتِ اسلام کی راہیں کھلیں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ نبی ﷺ کے دور میں جب مدینہ منورہ میں کسی قدر اقتدار مستحکم ہوگیا تو آپؐ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ بہ حیثیتِ سربراہ مملکت آپ نے اس وقت کی معلوم دنیا کے بادشاہوں سے کہا کہ اسلام لے آؤ۔ یہ دعوت ایک لحاظ سے پوری دنیا کے لیے تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آج دنیا میں کوئی ایسی ریاست نہیں رہ گئی ہے، حالاں کہ چوّن، پچپن مسلم ریاستیں موجود ہیں، جو دنیا سے یہ کہے کہ

اسلام ہی میں تمہاری نجات ہے۔اس کا شاید کوئی تصور ہی نہیں رہ گیا ہے کہ اسلام کی دعوت کا فرض حکومت کی سطح پر بھی انجام پانا چاہیے۔اگر افراد اور جماعتوں کے ساتھ حکومت بھی اس طرف متوجہ ہو تو دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

اصلاح اور دعوت دونوں کام اہم ہیں

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کو کہ تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ خود ہمارے اندر جو بگاڑ ہے اس کی اصلاح ہو۔ یہ ایک بڑا کام ہے، یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے۔ختم نبوت کے اعلان کے بعد اس امت کی اصلاح کے لیے اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا، بلکہ اس کی اصلاح امت کے افراد ہی کے ذریعہ ہوگی۔ اس میں مجدّد دین پیدا ہوں گے، ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے ہمدردی رکھنے والے ہوں گے۔ وہ مختلف میدانوں میں تجدید کا فریضہ انجام دیں گے۔امت کی ذمہ داری ہے کہ ان کا ساتھ دے، ان کا تعاون کرے اور ان کی رہنمائی میں اصلاح کی سعی کرے۔

اس میں شک نہیں یہ امت دین سے بڑی حد تک غافل ہے۔اس کی غفلت کو دور کرنا ضروری ہے۔اس کے ساتھ دنیا کو اللہ کے دین کی دعوت کی ذمہ داری بھی امت پر عائد ہوتی ہے۔ اس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ امت کے اندر یہ احساس پوری طرح بیدار ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین ساری دنیا کے لیے ہے اور اس کا دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچنا ضروری ہے۔اس سلسلے میں اقدامات ہوں تو اس راہ کی دشواریاں بھی دور ہو سکتی ہیں اور موجودہ بین الاقوامی حالات میں کامیابی کے امکانات بھی موجود ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امت کے کچھ افراد اور جماعتیں کارِ دعوت انجام دے رہیں لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس سے اس کے وسیع تقاضے پورے نہیں ہو رہے ہیں۔ان کی تکمیل کو ہم سب کو فکر کرنی چاہیے۔و الذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ مع المحسنین۔

☆☆☆

مصحف عثمانی کی تدوین

چند تحقیق طلب سوالات

ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر

قرآن مجید کے متن کے جمع وتدوین اور امت کو قرآن کے ایک متفقہ متن پر مجتمع کرنے کے حوالے سے خلیفۂ سوم سیدنا عثمانؓ کے عہد حکومت میں کی جانے والی کوشش کو تدوینِ قرآن کی تاریخ میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق خلیفۂ سوم کے حکم پر قرآن مجید کا ایک مصحف مرتب کروا کے اس کی نقول عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں بھیجی گئی تھیں اور لوگوں کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ اسی متن کے مطابق قراءت کریں، جب کہ اس کے علاوہ دوسرے تمام نسخوں کو تلف کر دیا جائے۔ اس واقعے سے متعلق بنیادی ماخذ سیدنا انس بن مالکؓ کی روایت ہے جو حدیث وسیرت کے اکثر مآخذ میں نقل کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی أهل الشام فی فتح ارمینیة وآذربیجان مع أهل العراق، فأفزع حذیفة اختلافهم فی القراءة فقال حذیفة لعثمان: یا أمیر المومنین، أدرک هذه الأمة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود والنصاری، فأرسل عثمان الی حفصة ان أرسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردّها الیک، فأرسلت بها حفصة الی عثمان، فأمر زید بن ثابت وعبدالله بن الزبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها فی المصاحف، وقال عثمان للرهط القرشیین الثلاثة: اذا

اختلفتم أنتم و زيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فانما نزل بلسانهم، ففعلوا، حتى اذا نسخوا الصحف في المصاحف ردّ عثمان الصحف الى حفصة و أرسل الى كل أفق بمصحف مما نسخوا و أمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف ان يحرق۔[۱]

''حذیفہ بن یمانؓ ،عثمانؓ کے پاس آئے۔ اس وقت اہل شام، اہل عراق کے ساتھ مل کر ارمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے لیے جہاد کر رہے تھے۔ حذیفہ کو ان کے مابین قراءت کے اختلاف نے پریشان کر دیا۔ حذیفہ نے عثمان سے کہا: اے امیرالمومنین! اس امت کو سنبھال لیجیے، اس سے پہلے کہ یہ اللہ کی کتاب کے متعلق یہود ونصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگیں۔ اس پر عثمان نے سیدہ حفصہؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ وہ اوراق ہمیں بھیج دیں (جو سیدنا ابوبکر نے لکھوائے تھے) تاکہ ہم انھیں مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس لوٹا دیں۔ حفصہ نے وہ اوراق عثمان کو بھیج دیے۔ عثمان نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو مامور کیا اور انھوں نے ان اوراق کو مصاحف میں نقل کر دیا۔ عثمان نے تینوں قریشیوں سے کہا: اگر تمھارا اور زید بن ثابت کا قرآن کے کسی لفظ کے متعلق اختلاف ہو تو اسے قریش کے لہجے کے مطابق لکھنا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اوراق کو مصاحف میں نقل کر چکے تو عثمان نے اوراق واپس حفصہ کو لوٹا دیے، جب کہ جو مصاحف ان حضرات نے نقل کیے تھے، ان میں سے ایک ایک مصحف ہر علاقے میں بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی بھی صحیفے یا مصحف میں جو قرآن لکھا ہوا ہو، اس کو جلا دیا جائے۔''

واقعے سے متعلق مختلف مآخذ میں منقول روایات میں بعض جزوی اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً بیش تر روایات کے مطابق سیدنا عثمان کو اس کام کی طرف سیدنا حذیفہ نے متوجہ کیا تھا، جب کہ بعض روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ مسلمانوں کے مابین

قراءت کے اختلافات کو دیکھتے ہوئے سیدنا عثمان نے خود ہی اس ضرورت کو محسوس کیا۔۲؎ اسی طرح بعض روایات کے مطابق قراءت کے مذکورہ اختلافات کا موقع کوفہ کو بتایا گیا ہے، ۳؎ جب کہ بخاری کی مذکورہ روایت کے مطابق سیدنا حذیفہ نے یہ اختلافات ارمینیہ اور آذر بائیجان کے محاذِ جنگ پر مشاہدہ کیے تھے۔ تاہم یہ اختلافات ناقابل تطبیق نہیں۔ تمام روایات کو سامنے رکھ کر واقعات کی ترتیب یہ فرض کی جاسکتی ہے کہ سیدنا حذیفہ جب کوفہ اور بصرہ میں مقیم تھے تو اسی وقت لوگوں کو الگ الگ قراءتیں پڑھتے ہوئے دیکھ کر اضطراب کا شکار ہوتے تھے اور اپنی نجی مجالس میں ابن مسعودؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کے سامنے اپنا یہ احساس بھی بیان کرتے رہتے تھے کہ قراءت کے اختلاف کو ختم کر کے امت میں ایک ہی قراءت کو رائج کر دینا چاہیے۔ اس کے بعد جب ایک موقع پر انھوں نے محاذِ جنگ پر مختلف شہروں سے آئے ہوئے لوگوں کے مابین قراءت کے اختلافات اور ان کی بنیاد پر باہمی نزاع اور تکفیر کا منظر دیکھا تو ان کا یہ احساس مزید قوی ہو گیا اور وہ باقاعدہ سفر کر کے سیدنا عثمانؓ کو اس صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ گئے۔ سیدنا عثمان کے سامنے بھی اس طرح کے بعض اختلافات آچکے تھے اور وہ گویا اپنے طور پر اس ضرورت کا احساس رکھتے تھے۔ سیدنا حذیفہ کی تحریک پر انھوں نے اس ضمن میں اقدام کرنے کا فیصلہ کر لیا اور دیگر صحابہ کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ امت کو اختلاف وافتراق سے محفوظ رکھنے کے لیے قرآن کے متن کی قراءت کے حوالے سے پائے جانے والے اختلافات کا سدِّ باب کر کے امت کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے۔

بہر حال مذکورہ جزوی اختلافات سے قطع نظر، عہد عثمانی میں مصحف کی تیاری کے حوالے سے چند اہم علمی وتاریخی سوالات سامنے آتے ہیں، جو علوم القرآن کی کتابوں میں روایتی طور پر دیے جانے والے جوابات کے غیر تشفی بخش ہونے کی وجہ سے مزید تحقیق کے متقاضی ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس نوعیت کے چند اہم سوالات کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

تدوین مصحف کی نوعیت؟

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا سیدنا عثمانؓ نے محض سیدنا ابوبکرؓ کے جمع کیے ہوئے مصحف کی نقول تیار کرواکے مختلف شہروں میں بھیجی تھیں یا ازسرنو قرآن کے متن کی جمع وتدوین کروائی تھی؟ بعض روایات سے پہلی بات معلوم ہوتی ہے اور بعض سے دوسری۔ مثلاً بخاری میں انس بن مالکؓ کی روایت (جو اوپر گزری) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے محض حضرت ابوبکرؓ کے جمع کیے گئے مصحف کی نقلیں تیار کروائی تھیں۔ ۴؎

اسی طرح زہری سے ایک روایت میں منقول ہے:

فوفّق اللہ عثمان فنسخ تلک الصحف فی المصاحف فبعث بھا الی الأمصار وبثّھا فی المسلمین ۵؎

''اللہ نے عثمانؓ کو توفیق دی اور انھوں نے ان اوراق کو مصاحف میں نقل کرواکر مختلف شہروں میں بھجوادیا اور انھیں مسلمانوں میں عام کردیا۔''

بعض اہل علم نے اسی بنا پر جمع عثمانی کی نوعیت محض یہ قرار دی ہے کہ انھوں نے مصحف صدیقی کی مختلف نقول تیار کرواکر امصار واطراف میں بھیج دی تھیں۔ تاہم بعض دیگر روایات میں صورتِ واقعہ اس سے مختلف بیان ہوئی ہے۔ مثلاً ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں مصعب بن سعد سے نقل کیا ہے:

سمع عثمان قراءۃ أبیّ وعبد اللہ ومعاذ فخطب الناس، ثم قال: انما قبض نبیکم منذ خمس عشرۃ سنۃ وقد اختلفتم فی القرآن وقد عزمت علی من عندہ شئ من القرآن سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما أتانی بہ فجعل الرجل یأتیہ باللوح والکتف والعسب فیہ الکتاب فمن أتاہ بشیٔ قال: أنت سمعت من رسول اللہ؟ ۶؎

''عثمانؓ نے ابی بن کعبؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور معاذؓ کی قراءتیں سنیں تو لوگوں

کے درمیان خطبہ دیا جس میں کہا: تمھارے نبی کو دنیا سے رخصت ہوئے ابھی پندرہ سال گزرے ہیں اور تم لوگوں نے قرآن میں اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس شخص کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو تو میں اس پر لازم ٹھہراتا ہوں کہ وہ اسے لے کر میرے پاس آئے۔ چنانچہ لوگ ان کے پاس تختیاں، مونڈھے کی ہڈیاں اور کھجور کی چوڑی ٹہنیاں لے کر آنے لگے، جن میں قرآن کی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ جو شخص بھی کوئی آیت لے کر آتا تو عثمانؓ اس سے پوچھتے تھے کہ کیا تم نے یہ آیت خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟"

سیوطی نے ابن اشتہ کے حوالے سے انس بن مالکؓ کی یہ روایت نقل کی ہے:

قال : اختلفوا فی القرآن علی عهد عثمان حتی اقتتل الغلمان والمعلّمون، فبلغ ذلک عثمان بن عفان فقال :عندی تکذبون به وتلحنون فيه .... يا أصحاب محمد اجتمعوا افاکتبوا للناس إماماً، فاجتمعوا فکتبوا فکانوا اذا اختلفوا وتدارء وا فی آية قالوا :هذا أقرأها رسول اللہ ﷺ فلاناً، فيرسل اليه وهو علی رأس ثلاث من المدينة فيقال له :کيف أقرأک رسول اللہ آية کذا وکذا؟ فيقول : کذا وکذا، فيکتبونها وقدترکوا الذلک مکاناً[۲۔]

"عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں کا قرآن میں اختلاف ہو گیا، یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین باہم دست و گریباں ہو گئے۔ اس کی اطلاع عثمان بن عفان تک پہنچی تو انھوں نے کہا: تم میری موجودگی میں اس قرآن کو (پڑھنے میں ایک دوسرے کو) جھٹلاتے ہو اور قرآن پڑھنے میں غلطیاں کر رہے ہو؟ اے اصحاب محمد! جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لیے ایک 'امام' لکھ دو۔ چنانچہ اصحاب جمع ہوئے اور انھوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ جب ان لوگوں کا کسی بھی آیت کے متعلق باہم اختلاف اور بحث ہوتی تو وہ کہتے تھے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ نے فلاں شخص کو پڑھائی تھی۔ وہ شخص (بسا اوقات) مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہوتا تو اس

کو پیغام بھیج کر بلوایا جاتا اور پوچھا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں فلاں فلاں آیت کیسے پڑھائی تھی؟ وہ بتاتا کہ یوں اور یوں پڑھائی تھی۔ چنانچہ یہ حضرات اس کو لکھ لیتے، جب کہ انھوں نے اس آیت کے لکھنے کے لیے جگہ خالی چھوڑی ہوتی تھی۔''

اسی طرح مالک بن ابی عامر بیان کرتے ہیں:

كنت فی من أملی علیھم، فربما اختلفوا فی الآیة فیذکرون الرجل قد تلقّاھا من رسول اللہ ﷺ ولعله ان یکون غائباً او فی بعض البوادی فیکتبون ما قبلھا وما بعدھا ویدعون موضعھا حتی یجیٔ او یرسل الیه۸ ؎

''میں ان لوگوں (یعنی کاتبوں) میں سے تھا جن کو قرآن لکھوایا گیا۔ بسا اوقات ان کا کسی آیت سے متعلق اختلاف ہوتا تو وہ اس شخص کا ذکر کرتے جس نے وہ آیت خود رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سیکھی تھی۔ بعض اوقات وہ آدمی وہاں موجود نہ ہوتا یا کسی دیہات وغیرہ میں ہوتا تو یہ حضرات اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد والی آیات (مصحف میں) لکھ لیتے اور اس آیت کی جگہ چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ وہ شخص آجاتا یا اس کو پیغام بھیج کر بلوالیا جاتا (اور پھر اس سے پوچھ کر متعلقہ آیت اپنے مقام پر درج کردی جاتی)۔''

اس کی مزید تائید زید بن ثابتؓ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

نسخت الصحف فی المصاحف ففقدت آیة من سورة الأحزاب کنت أسمع رسول اللہ ﷺ یقرأ بھا، فلم أجدھا الا مع خزیمة بن ثابت الأنصاری الذی جعل رسول اللہ ﷺ شھادته شھادة رجلین، وھو قوله :مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْه ۹ ؎

''میں نے اوراق کو مصاحف میں نقل کیا تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت

نہیں ملی جو میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ مجھے وہ آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی :مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ۔

یہ روایت بھی یہی بتاتی ہے کہ اس موقع پر قرآن کے متن کی تلاش، تحقیق و تفتیش اور جمع وتدوین کا عمل ازسرنو کیا گیا تھا، کیوں کہ اگر سیدنا ابوبکر کے مرتب کردہ مصحف پر انحصار کیا گیا ہوتا تو مذکورہ آیات کے مفقود ہونے اور پھر ان کی تلاش کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

بہرحال اگر اس موقع پر متنِ قرآن کی ازسرنو جمع وتدوین کی گئی تھی تو پھر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیدنا ابوبکرؓ کے جمع کردہ متن پر سیدنا عثمانؓ کو اعتماد نہیں تھا؟ اگر تھا تو قرآن کے متن کی تحقیق وتفتیش کے عمل کو (Reopen) کرنے اور ازسرنو متن کے جمع وتدوین کی یہ ساری سرگرمی کیوں انجام دی گئی؟ علوم القرآن کے معاصر ماہرین نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ سیدنا عثمان نے ایسا 'مزید احتیاط' کے طور پر کیا تھا[10]۔ یا یہ کہ وہ معترضین کو کسی بھی قسم کے اعتراض کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ لیکن یہ توجیہات اصل اشکال کو حل نہیں کرتیں۔ مزید احتیاط کی ضرورت وہیں پڑتی ہے جہاں پہلی کوشش میں کسی نقص کے رہ جانے کا امکان تسلیم کیا جائے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ کے جمع کردہ صحف کے مکمل اور جامع ہونے کے حوالے سے صحابہ کے ذہنوں میں کسی نہ کسی درجے میں کوئی شبہ یا عدم اطمینان موجود تھا؟ معترضین کے اعتراض سے بچنے کی بات بھی اسی صورت میں برمحل بنتی ہے جب یہ فرض کیا جائے کہ سیدنا ابوبکرؓ کے مصحف سے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں پوری طرح اطمینان نہ پایا جاتا ہو۔ اگر اس پر لوگوں کا عمومی اطمینان تھا تو سیدنا عثمانؓ کے لیے کسی بھی اعتراض سے بچنے کا زیادہ آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے اوپر کوئی بھی ذمہ داری لینے کے بجائے محض مصحف صدیقی کو نقل کروا کے اس کے نسخے عام کر دیتے۔ حاصل یہ کہ عہد عثمانی میں متن

قرآن کی از سر نو جمع وتدوین کی کوشش، اس سے پہلے عہد صدیقی میں کی جانے والی اسی نوعیت کی کاوش کے اعتبار و استناد اور اس کی حیثیت کے متعلق اہم سوالات کو جنم دیتی ہے، جن کا بہ ظاہر کوئی معقول اور تشفی بخش جواب اس موضوع سے متعلق بحثوں میں نہیں دیا گیا ہے۔

کس نوعیت کے اختلافِ قراءت کا سدِّ باب مقصود تھا؟

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ قراءت کے اختلافات، جنھیں سیدنا عثمانؓ اس مصحف کے ذریعے سے ختم کرنا چاہتے تھے، متعین طور پر ان کی نوعیت کیا تھی؟ اور ان کی یہ کاوش اس مقصد کے حصول میں کس پہلو سے مفید اور مددگار ہو سکتی تھی؟ عام طور پر علوم القرآن کے ماہرین نے اس نکتے کی توضیح پر زیادہ توجہ نہیں دی، جس کی وجہ سے ایک اہم اشکال ذہنوں میں باقی رہ جاتا ہے۔ اگر قراءت کے یہ اختلافات، جن کا خاتمہ مقصود تھا، اس نوعیت کے تھے جو ہمیں علم قراءات کے موجود ذخیرے میں نظر آتے ہیں (مثلاً **یعلمون** کی جگہ **تعلمون** یا **ننشرھا** کی جگہ **ننشزھا** پڑھنا) تو ان کے خاتمے کے لیے ایک مصحف مرتب کروا کے، جس پر نہ نقطے لگے ہوئے ہوں اور نہ حرکات، مختلف شہروں میں بھیج دینے کا طریقہ بدیہی طور پر موثر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس حوالے سے متعلقہ مواد کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ قراءات کا جو اختلاف اس اقدام کا محرک بنا اور جسے ختم کرنے کی کوشش کی گئی، وہ بنیادی طور پر قرآن کے متن میں الفاظ کی تبدیلی یا کمی بیشی یا تقدیم وتاخیر کی نوعیت کا اختلاف تھا، کیوں کہ اسی نوعیت کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کو ایک متفقہ مصحف کی قراءت کا پابند بنانا مفید ہو سکتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کوشش دراصل اختلافِ متن کو ختم کرنے کے لیے تھی، نہ کہ محض ایک لفظ کی مختلف قراءتوں کے امکان کو ختم یا محدود کرنے کے لیے۔

بعض روایات میں اس اقدام کا باعث بننے والے اختلاف کی جو مثالیں نقل ہوئی ہیں، وہ اسی قیاس کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ ابن ابی داؤد نے یزید بن معاویہ نخفی

سے نقل کیا ہے کہ حذیفہؓ نے ایک طرف ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسری طرف عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت کے مطابق پڑھنے والوں کو باہم اختلاف کرتے دیکھا تو وہ گھبرا اٹھے اور سیدنا عثمانؓ کے پاس حاضر ہو کر انھیں اس صورت حال سے مطلع کیا۔ اس موقع پر قراءت کے جس اختلاف کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ یہ تھا کہ ایک فریق سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۶ میں 'واتموا الحج والعمرة لله' کے الفاظ پڑھتا تھا، جب کہ دوسرا فریق 'واتموا الحج والعمرة للبيت' کے الفاظ کی قراءت کرتا تھا۔[۱۱]

متعدد دیگر روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حذیفہؓ قراءت کے جس اختلاف سے پریشان تھے، وہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت کے باہمی اختلافات تھے۔[۱۲] اور ابن مسعود کی قراءت کے متعلق یہ بات ثابت ہے (جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے) کہ ان کی قراءت میں بہت سے الفاظ عام قراءت سے مختلف بھی تھے اور کئی مقامات پر الفاظ میں کمی بیشی بھی تھی۔

ابن ابی داؤد نے عبد الاعلیٰ بن حکم الکلابی سے روایت کی ہے کہ جب سیدنا عثمانؓ نے اپنا مصحف مرتب کروا کے اہل کوفہ کی طرف بھیجا اور انھیں ہدایت کی کہ وہ اپنے مصاحف کو اس مصحف کے مطابق درست کر لیں تو ایک مجلس میں حذیفہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے مابین یہ مکالمہ ہوا:

> **فقال أبو موسى: ما وجدتم فى مصحفى هذا من زيادة فلا تنقصوها وما وجدتم من نقصان فاكتبوه، فقال حذيفة: كيف بما صنعنا؟... وكان حذيفة هو الذى أشار على عثمان رضي الله عنه بجمع المصاحف على مصحف واحد۔[۱۳]**

"ابو موسیٰ نے کہا کہ تم میرے اس مصحف میں جو الفاظ زائد پاؤ، انھیں ختم نہ کرو، لیکن جو الفاظ کم ملیں، وہ (میرے مصحف میں) لکھ دو، لیکن حذیفہ نے کہا کہ پھر ہم نے جو کاوش کی ہے، اس کی کیا حیثیت رہی؟ ... عثمانؓ کو تمام مصاحف کو ایک مصحف پر جمع کر دینے کا مشورہ حذیفہؓ نے ہی دیا تھا۔"

روایت سے واضح ہے کہ یہ دراصل الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف تھا، جسے مصحف عثمانی کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

سیوطی نے ابن اشتہ کے حوالے سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے (جس کا متن اوپر نقل کیا جا چکا ہے)، اس میں بیان ہوا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ کاتبین کا جب کسی آیت کے متعلق باہم اختلاف ہوتا تو اس آیت کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی اور تحقیق کی جاتی کہ وہ آیت رسول اللہ ﷺ نے کس شخص کو پڑھائی تھی؟ پھر اس شخص سے معلوم کیا جاتا کہ وہ آیت اس نے نبی ﷺ سے کیسے پڑھی تھی؟ اور اس کے بیان کے مطابق وہ آیت لکھ لی جاتی۔ ۱۴؎ اس روایت سے بھی واضح ہے کہ اختلاف کی نوعیت الفاظ میں تبدیلی یا تقدیم وتاخیر یا کمی بیشی کی تھی، کیوں کہ یہی وہ اختلاف ہے جس کا خاتمہ مصحف میں درج متن کو دیکھ کر کیا جا سکتا تھا۔ ایک ہی لفظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کے اختلاف کی صورت میں نہ تو کسی ایک طریقے کو غیر منقوط رسم الخط کی مدد سے واضح کرنا ممکن تھا اور نہ کسی کے لیے ایسے متن کو دیکھ کر اس نوعیت کے اختلاف کو رفع کرنا ممکن تھا۔

انتخابِ قراءت کا معیار؟

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مرتب کردہ مصحف سے متعلق تیسرا اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ انھوں نے ایک متن مرتب کروا کر اس سے جزوی اختلاف رکھنے والے متون کو ختم کرنے کی جو کوشش کی، اس کی بنیاد کس اصول پر تھی؟ بالعموم اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کے پیش نظر قراءت کے صرف مستند اور جائز اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے ان طریقوں کو ختم کرنا تھا جنھیں استناد حاصل نہیں تھا یا جو منسوخ ہو چکے تھے۔ ۱۵؎ تاہم یہ جواب متعدد وجوہ سے محل نظر اور محل اشکال معلوم ہوتا ہے:

ایک تو یہ کہ روایات میں ان کے اقدام کا جو محرک نقل ہوا ہے، وہ غیر مستند اختلافات کا شیوع یا ان کا خاتمہ نہیں، بلکہ محض یہ بات تھی کہ لوگوں نے قرآن کی تلاوت

کرتے ہوئے باہم جھگڑا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور سیدنا عثمانؓ اللہ کی کتاب کے معاملے میں مسلمانوں کو اختلاف سے بچا کر ایک مصحف پر انھیں جمع کرنا چاہتے تھے۔ روایات میں کہیں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ ان کے پیش نظر مستند اور غیر مستند اختلافات کا تصفیہ تھا۔ اگر محرک یہ بات ہوتی تو اس کے لیے لوگوں کے باہم جھگڑنے اور ایک دوسرے کی تکفیر کی نوبت آنے تک انتظار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایسی صورت میں تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جیسے ہی انھیں یہ معلوم ہوتا کہ کچھ لوگ غیر مستند قراءات کے مطابق قرآن پڑھ رہے ہیں، وہ فوراً قرآن کے متن کی حفاظت کے جذبے سے سرگرم ہو جاتے۔

اس ضمن میں مختلف قراءات میں تواتر اور عدم تواتر کی بنیاد پر فرق کا نکتہ بھی بہت بعید از قیاس دکھائی دیتا ہے، کیوں کہ اول تو روایات میں اس معیار پر قراءتوں کو جانچنے کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں ملتا، پھر یہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور دیگر اکابر صحابہ کی قراءات کو، جو انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سیکھی تھیں اور اب تک نہ صرف پورے اعتماد سے لوگوں کو اس کی تعلیم دے رہے تھے، بلکہ نماز میں بھی اس کی قراءت کیا کرتے تھے، اس بنیاد پر مسترد کرنے اور خود ان حضرات سے بھی ان کو ترک کرنے کے مطالبے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ وہ 'متواتر' نہیں ہیں۔ جن صحابۂ کرام کی قراءتیں سیدنا عثمانؓ کے مصحف سے مختلف تھیں، وہ اپنے ذاتی علم اور تلقّی کی بنیاد پر انھیں اختیار کیے ہوئے تھے اور ان میں سے بعض حضرات نے سیدنا عثمانؓ کے فیصلے کے باوجود اپنی قراءت کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس وجہ سے روایات کو بہ حیثیت مجموعی سامنے رکھتے ہوئے صورت حال کی درست تصویر یہ بنتی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مختلف قراءتوں کے جواز اور گنجائش کو اصولی طور پر تسلیم کرتے ہوئے محض ایک عملی مصلحت یعنی امت کو قرآن کے متن میں اختلاف سے بچانے کے لیے یہ چاہا کہ سب لوگ کسی ایک متن پر اتفاق کر کے جزوی نوعیت کے اختلافات کو ترک کر دیں۔ یہ بات بعض روایات میں صراحتاً بیان بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر سیدنا عثمانؓ نے اس سلسلے میں معترضین کا جواب دیتے ہوئے کہا:

أما القرآن فمن عند الله، انما نهيتكم لأني خفت عليكم الاختلاف، فاقرؤوا على أي حرف شئتم۱۶؎

"قرآن تو اللہ کی جانب سے ہے۔ میں نے تمھیں صرف اس لیے (مختلف قراءتوں سے) منع کیا کہ مجھے تمھارے اختلاف میں پڑ جانے کا ڈر تھا۔ سو تم جس طریقے پر چاہو، پڑھ لو۔"

مصحف عثمانی کی بنیاد جس قراءت پر رکھی گئی، اس سے متعلق سب سے اہم اور نازک ترین سوال یہ ہے کہ اس میں قرآن کا جو متن منضبط کیا گیا، اس کا عرضۂ اخیرہ کی قراءت سے کیا تعلق تھا؟ اس ضمن میں روایات متعارض نقل ہوئی ہیں۔ بعض صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ سیدنا عثمان نے اس مصحف کی بنیاد عرضۂ اخیرہ کی قراءت پر رکھی تھی۔ مثلاً سمرہؓ سے منقول ہے:

عرض القرآن على رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضات فيقولون: ان قراءتنا هذه العرضة الأخيرة۔ ۱۷؎

"رسول اللہ ﷺ کو کئی مرتبہ قرآن سنایا گیا۔ سو لوگ کہتے ہیں کہ ہماری یہ قراءت وہ ہے جو آپ کو آخری مرتبہ سنائی گئی۔"

عبیدہ سلمانی کہتے ہیں:

قراءتنا التي جمع الناس عثمان عليها هي العرضة الأخرى ۱۸؎

"ہماری قراءت جس پر عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کیا، وہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

القراءة التي عرضت على رسول الله ﷺ في العام الذي قبض فيه هذه القراءة التي يقرأها الناس۔ ۱۹؎

"رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سال آپ کو جو قراءت سنائی گئی، یہ وہی قراءت ہے جو آج لوگ پڑھ رہے ہیں۔"

بغوی نے شرح السنۃ میں ابوعبدالرحمن السلمی کا یہ قول نقل کیا ہے:

قرأ زيد بن ثابت على رسول اللهﷺ في العام الذى توفاه الله فيه مرتين وانما سمّيت هذه القراءة قراءة زيد بن ثابت لأنه كتبها لرسول الله وقرأها عليه وشهد العرضة الأخيرة وكان يقرئ الناس بها حتى مات ولذلك اعتمده أبوبكر وعمر فى جمعه وولّاه عثمان كتبة المصاحف۔ ۲۰؎

''جس سال نبی ﷺ کا انتقال ہوا، اس سال زید بن ثابتؓ نے آپؐ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس قراءت کو زید بن ثابت کی قراءت اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اس کو لکھا تھا اور اسے آپؐ کو پڑھ کر سنایا تھا اور وہ عرضۂ اخیرہ میں موجود تھے۔ وہ اسی کے مطابق لوگوں کو قراءت سکھایا کرتے تھے۔ اسی لیے قرآن کو جمع کرنے میں ابوبکرؓ اور عمرؓ نے ان پر اعتماد کیا اور عثمانؓ نے انھیں مصاحف لکھنے کی ذمہ داری سونپی۔''

محمد بن سیرینؒ سے بھی یہی منقول ہے، تاہم انھوں نے یہ بات محض ایک قیاس اور مفروضے کے طور پر بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ نقل کرتے ہیں:

حدّثني كثير بن أفلح انه كان يكتب لهم فربّما اختلفوا فى الشئ فأخّروه فسألت لم تؤخّروه؟ قال لا أدرى، قال محمد فظننت فيه ظنّاً فلا تجعلوه أنتم يقيناً، ظننت انهم كانوا اذا اختلفوا فى الشئ أخّروه حتى ينظروا آخرهم عهداً بالعرضة الأخيرة فيكتبوه على قوله۔ ۲۱؎

''مجھے کثیر بن افلح نے بتایا کہ وہ صحابہ کے حکم پر مصحف لکھا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان حضرات کا کسی آیت کے متعلق اختلاف ہو جاتا تو وہ اس کی کتابت کو مؤخر کر دیتے تھے۔ میں نے پوچھا: وہ اسے کیوں موخر کر دیتے تھے؟ کثیر بن افلح نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ محمد (بن سیرین) نے کہا: میرا اس کے متعلق ایک گمان ہے، لیکن تم لوگ اسے کوئی یقینی بات نہ سمجھ لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ ان

حضرات کا جب کسی آیت سے متعلق اختلاف ہوتا تو وہ اسے اس لیے موخر کر دیتے تھے تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ صحابہ میں سے کون عرضۂ اخیرہ کے زمانے کے سب سے زیادہ قریب ہے، پھر اس کے قول کے مطابق اس آیت کو لکھ لیں۔''

ابن سیرینؒ کے قیاس کے برعکس بعض روایات میں یہ نقل ہوا ہے کہ کسی بھی آیت کی قراءت میں اختلاف ہونے پر اس کی کتابت کو اس لیے مؤخر کر دیا جاتا تھا کہ کسی ایسے شخص سے اس کی تحقیق کر لی جائے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ نے اس کو خود سکھائی تھی۔ اس سلسلے میں انس بن مالکؓ اور مالک بن ابی عامر کی روایات پیچھے گزر چکی ہیں۔

بہر حال مصحف عثمانی کے عرضۂ اخیرہ کی قراءت پر مبنی ہونے سے متعلق ہمارے سامنے مذکورہ چار اقوال ہیں: ان میں سے سمرہ بن جندبؓ کا قول امام حاکم کی نقل کردہ روایت کے مطابق خود ان کا اپنا قول ہے، لیکن دیگر تفصیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمرہ کا قول نہیں، بلکہ سند کے ایک راوی حماد بن سلمہ کا قیاس ہے۔ چنانچہ امام رؤیانی نے یہ روایت یوں نقل ہے:

عن سمرة عن النبی ﷺ قال :عرض علیّ القرآن ثلاث عرضات، قال حماد فی هذا الحدیث او غیره :فنری إن قراء تنا هی الأخیرة ۔ ۲۲ ۔

''سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تین مرتبہ قرآن سنایا گیا ہے''۔ حماد بن سلمہ نے اس حدیث میں یا اس کے علاوہ کسی دوسری حدیث میں یوں کہا کہ ''ہمارا خیال یہ ہے کہ ہماری قراءت آخری قراءت ہے۔''

ابن سیرین صراحتاً کہتے ہیں کہ یہ محض ان کا قیاس ہے۔ ابو عبد الرحمن السلمی کا قول بغوی نے بلا سند نقل کیا ہے، اس کے علاوہ میسر و متداول مآخذ میں اس کا کوئی ذکر ہے نہ کسی اور روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ زید بن ثابتؓ عرضۂ اخیرہ کی قراءت کے موقع پر موجود تھے۔ اس کے بعد صرف عبیدہ سلمانی کا قول باقی بچتا ہے، جسے صاحب

کنز العمال نے نقل کیا ہے۔ اس کی استنادی حیثیت سے قطع نظر، یہ بھی حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہ بات کسی روایت کی روشنی میں کہہ رہے ہیں یا ابن سیرین کی طرح محض اپنے ذاتی قیاس کی بنیاد پر۔

مذکورہ تمام اقوال کے برعکس عبد اللہ بن عباسؓ سے صحیح سند کے ساتھ یہ صراحت منقول ہے کہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت وہ نہیں جس کے مطابق عموماً لوگ تلاوت کرتے ہیں، بلکہ وہ تھی جو عبد اللہ بن مسعودؓ لوگوں کو سکھاتے تھے اور انہی کی قراءت درحقیقت عرضۂ اخیرہ کی قراءت تھی۔ ابن عباسؓ کا یہ قول ان سے ان کے متعدد شاگردوں نے نقل کیا ہے۔ ابوظبیان کی روایت ہے:

أیّ القراءتین تعدّون أول؟ قالوا: قراءة عبد الله، قال: لا، بل هی الآخرة، کان یعرض القرآن علی رسول الله ﷺ فی کل عام مرة، فلما کان العام الذی قبض فیه عرض علیه مرّتین، فشهده عبد الله فعلم ما نسخ منه وما بدّل۔ ۲۳؎

''حضرت ابن عباسؓ نے دریافت کیا: تم کون سی قراءت کو پہلی (یعنی ابتدائی دور کی) قراءت سمجھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت کو۔ ابن عباسؓ نے کہا: (نہیں)، ہماری قراءت پہلے دور کی قراءت ہے، جب کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءت آخری دور کی قراءت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ہر سال رمضان میں (جبریل کی طرف سے) ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ جب آپؐ کی وفات کا سال آیا تو آپ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا گیا۔ اس موقع پر عبد اللہ بن مسعودؓ موجود تھے، چنانچہ قرآن کے جو حصے منسوخ کر دیے گئے اور جن میں تبدیلی کی گئی، وہ ابن مسعود کو معلوم ہو گئے۔''

ابن عباسؓ کے ایک اور شاگرد مجاہد سے روایت ہے:

عن ابن عباس قال: أیّ القراءتین کانت أخیراً: قراءة عبد الله أو قراءة زید؟ قال: قلنا: قراءة زید، قال: لا، ان رسول الله ﷺ

كان يعرض القرآن على جبريل كل عام مرة، فلما كان فی العام الذی قبض فيه عرضه عليه مرتين، وكانت آخر القراء ة قراء ة عبد الله ۔ ۲۴؎

''ابن عباسؓ نے لوگوں سے پوچھا: تم لوگ کون سی قراءت کو آخری قراءت سمجھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: زید بن ثابت کی قراءت کو۔ ابن عباسؓ نے کہا: نہیں، رسول اللہ ﷺ ہر سال جبریلؑ کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے۔ جب آپؐ کی وفات کا سال آیا تو آپؐ نے جبریلؑ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ (اس موقع پر ابن مسعودؓ موجود تھے)، اس لیے ان کی قراءت سب سے آخری قراءت ہے۔''

یہی بات زر بن حبیشؒ نے بھی نقل کی ہے۔ کہتے ہیں:

قال لی ابن عباس: أیّ القراء تین تقرأ؟ قلت: الآخرة۔ قال: فان جبريل عليه السلام كان يعرض القرآن على النبی صلی الله عليه وآله وسلم كل عام فی رمضان، قال: فعرض عليه القرآن فی العام الذی قبض فيه النبی صلی الله عليه وآله وسلم مرتين، فشهد عبد الله ما نسخ منه وما بدل، فقراء ة عبد الله الآخرة۔ ۲۵؎

''ابن عباسؓ نے مجھ سے پوچھا: تم کون سی قراءت پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: آخری۔ ابن عباسؓ نے کہا: جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کو ہر سال رمضان میں قرآن پڑھ کر سناتے تھے۔ جب آپؐ کی وفات کا سال آیا تو جبریلؑ نے آپؐ کو دو مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ (اس موقع پر عبداللہ بن مسعودؓ موجود تھے)، چنانچہ قرآن کے جو حصے منسوخ کر دیے گئے اور جن میں تبدیلی کی گئی، وہ ابن مسعودؓ کو معلوم ہو گئے۔ اس لیے (تمھاری قراءت نہیں، بلکہ) ابن مسعودؓ کی قرات، آخری قراءت ہے۔''

عرضۂ اخیرہ کے موقع پر اپنے موجود ہونے کا ذکر خود ابن مسعودؓ نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ سیوطی نے ابن الانباری کے حوالے سے ان کے یہ اقوال نقل کیے ہیں:

کان جبریل یعارض النبی ﷺ بالقرآن فی کل سنة مرة وانه عارضه بالقرآن فی آخر سنة مرتین، فأخذته من النبی ﷺ ذلک العام ۲۶۔

''جبریلؑ ہر سال ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کا دورہ کیا کرتے تھے۔ آخری سال انھوں نے آپؐ کے ساتھ دو مرتبہ قرآن کا دورہ کیا اور اس سال میں نے نبی ﷺ سے قرآن مجید سنا۔''

اسی بنیاد پر وہ کہتے تھے:

لو أعلم أحداً أحدث بالعرضة الأخیرة منّی لرحلت الیه ۲۷۔

''اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص عرضۂ اخیرہ سے متعلق مجھ سے بھی تازہ معلومات رکھتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس چلا جاؤں گا۔''

اگر حقیقی صورت حال یہی ہے جو ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ نے بیان کی ہے تو یہ بات کئی اہم سوالات کو جنم دیتی ہے۔ ان میں سے اہم ترین سوال یہ ہے کہ سیدنا عثمانؓ اور ان کے ساتھ جمہور صحابہ نے امت کے لیے متفقہ مصحف مرتب کرواتے وقت عرضۂ اخیرہ کی حتمی اور نظر ثانی شدہ قراءت کو کیوں بنیاد نہیں بنایا؟ اور متن کو حتمی شکل دیتے ہوئے ابن مسعودؓ کو کلیتاً نظر انداز کیوں کر دیا گیا، جن سے قرآن سیکھنے کی تلقین نہ صرف یہ کہ نبی ﷺ نے خاص طور پر لوگوں کو فرمائی تھی، بلکہ وہ عرضۂ اخیرہ کے موقع پر موجود ہونے کی وجہ سے منسوخ اور تبدیل شدہ مقامات کی بھی نشان دہی کر سکتے تھے؟ نہ صرف یہ کہ عقلی اور منطقی طور پر عرضۂ اخیرہ ہی کی قراءت کو بنیاد بنایا جانا چاہیے تھا، بلکہ یہ طریقہ مختلف قراءتیں پڑھنے اور سکھانے والے حضرات کو بھی ایک قراءت پر متفق کرنے کے لیے ایک مضبوط استدلال کا کام دے سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس سے مختلف طریقہ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس اہم اور نازک سوال کا کوئی جواب ہمیں روایات کے ذخیرے سے نہیں ملتا۔

یہاں ضمناً یہ نکتہ بھی واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ کی

قراءت اور عام قراءت کے مابین اختلاف کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض معاصر اہل علم کی تحریروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید ابن مسعودؓ کے مصحف اور مصحف عثمانی میں اختلاف بس اتنا سا تھا کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں سورتوں کی ترتیب مصحف عثمانی کی ترتیب سے مختلف تھی۔ چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا مصحف عثمانی مصاحف سے کچھ مختلف تھا اور آپ اسے محفوظ رکھنا چاہتے تھے، لیکن اس میں کیا چیزیں عثمانی مصاحف سے مختلف تھیں؟ اس کی صراحت صحیح روایات میں نہیں ملتی۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مصحف میں بنیادی فرق سورتوں کی ترتیب کا تھا۔ . . .مثلاً اس میں سورۃ نساء پہلے اور سورۃ آل عمران بعد میں تھی اور حضرت ابن مسعودؓ نے شاید اسی ترتیب کے ساتھ آں حضرت ﷺ سے قرآن کریم سیکھا ہوگا۔'' ۲۸؎

تاہم مواد کا جائزہ لینے سے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ پہلی بات تو یہ کہ سورتوں کی ترتیب میں اختلاف کا معاملہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں سیدنا عثمانؓ یا جمہور صحابہ کسی ایک متعین ترتیب پر اصرار کرنا چاہتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اکابر صحابہ کے ہاں مصاحف میں سورتوں کی ترتیب مختلف تھی اور وہ اس چیز کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مثلاً یوسف بن ماہک بیان کرتے ہیں کہ وہ ام المومنین عائشہؓ کے پاس موجود تھے کہ عراق کا ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اپنا مصحف دکھائیے۔ ام المومنین نے مقصد دریافت کیا تو اس نے کہا:

لعلّی اؤلف القرآن علیه فانه یقرأ غیر مؤلّف، قالت :وما یضرّک ایه قرأت قبل، انما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصّل ۲۹؎

''میں اس کے مطابق قرآن کو مرتب کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ قرآن کی تلاوت غیر مرتب طریقے سے کی جارہی ہے۔ ام المومنین نے کہا: تم قرآن کا جو حصہ بھی پہلے پڑھ لو، تمھیں اس کا کیا نقصان؟ سب سے پہلے قرآن کا جو حصہ

نازل ہوا تھا، وہ مفصل کی ایک سورت تھی۔‘‘

اس تناظر میں اگر مصاحف کے اختلاف کی نوعیت بس سورتوں کی ترتیب میں فرق کی تھی تو ابن مسعودؓ کی طرف سے اس پر اتنی شدت سے انکار کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ سب سے اہم بات یہ کہ ابن مسعودؓ کی قراءت سے متعلق تفسیر وحدیث کے ذخیرے میں جو بکھرا ہوا مواد ملتا ہے، اس کو دیکھنے سے مذکورہ مفروضے کی قطعی تردید ہوجاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں کئی مقامات پر قراءت اس قراءت سے مختلف تھی جو مصحف عثمانی میں درج کی گئی ہے اور اس اختلاف کی نوعیت الفاظ میں تبدیلی، تقدیم وتاخیر اور کمی بیشی کی تھی۔ ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں اس نوع کی تمام مثالوں کو یکجا کر دیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

قراءت عامہ	قراءت ابن مسعود
ان تبتغوا فضلا من ربکم (البقرۃ ۱۹۸)	فی مواسم الحج فابتغوا حینئذ
ولکل وجھۃ ھو مولیھا (البقرۃ ۱۴۸)	ولکل جعلنا قبلۃ یرضونھا
وان یاتوکم اسری تفدوھم (البقرۃ ۸۵)	وان یؤخذوا تفدوھم
واسجدی وارکعی مع الراکعین (آل عمران ۴۳)	وارکعی واسجدی فی الساجدین
ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (النساء ۴۰)	ان اللہ لا یظلم مثقال نملۃ
بل یداہ مبسوطتان (المائدہ ۶۴)	بل یداہ بسطان
والعصر ان الانسان لفی خسر (العصر)	...لفی خسر وانہ فیہ الی آخر الدھر ۳۰؎

متن میں مختلف قراءتوں کو سمو دینے کا مفروضہ

متن میں الفاظ کی کمی بیشی یا تبدیلی یا تقدیم وتاخیر کے اختلاف کے علاوہ، ذخیرۂ قراءت میں ایک بڑا حصہ ایسے اختلافات پر مشتمل ہے جن میں ایک ہی لفظ کو حروف یا اعراب وغیرہ کی تبدیلی کے ساتھ مختلف طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس ضمن میں مصحف عثمانی سے متعلق اہم سوال یہ ہے کہ اس نوع کے اختلافات

اور مصحف کے متن کا باہمی تعلق اور خاص طور پر مصحف کو مرتب کرنے والے حضرات کا زاویہ نظر کیا تھا؟ متاخر علمائے قراءت کی طرف سے عام طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ مصحف عثمانی کے رسم الخط میں تمام مستند قراءتوں کو سمو دیا گیا تھا اور اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ نقطوں اور اعراب کے بغیر لکھے ہوئے نقوش مختلف طریقوں سے پڑھے جانے کا تحمل کرسکیں۔ [۳۱]

یہ مفروضہ بنیادی نوعیت کے کئی سوالات واشکالات کو جنم دیتا ہے۔ مثلاً یہ بات کہ سیدنا عثمانؓ نے مصحف کے متن میں تمام مستند قراءتوں کو سمو دینے کا اہتمام کیا تھا، اس کی صراحت نہ کہیں روایات میں پائی جاتی ہے نہ متقدمین کے ہاں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ یہ نکتہ بہت بعد میں متاخرین نے محض قیاساً بیان کیا ہے، جب کہ تاریخی لحاظ سے اس کا کوئی نقلی ماخذ روایات میں موجود نہیں۔ پھر یہ کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تمام مستند قراءتوں کی تحقیق کیوں کر ممکن تھی اور کس بنیاد پر یہ فرض کیا گیا کہ نبی ﷺ نے صحابہ کو جو قراءتیں سکھائیں، وہ سب کی سب مدینہ منورہ میں موجود قراء وحفاظ کے علم میں ہیں، جب کہ دور دراز شہروں کی طرف منتقل ہو جانے والے صحابہ کے پاس کوئی ایسی قراءت نہیں ہو گی جس کو مصحف میں ثبت کرنے کی ضرورت ہو؟

سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ نوعیت کے اختلاف کے خاتمے کے لیے ایک مصحف مرتب کروا کر مختلف شہروں میں بھیج دینے کا طریقہ کیوں کر اس اختلافِ قراءت کا خاتمہ کرسکتا تھا؟ کیوں کہ مذکورہ نوعیت کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے ایک ایسا متن لکھوا کر بھیج دینا بدیہی طور پر کافی نہیں تھا جس پر نقطے لگے ہوئے ہوں نہ اعراب۔ ایسا متن تو بہ ذات خود اس کا محتاج تھا کہ اسے کسی دوسرے طریقے سے معلوم طریقۂ قراءت کے مطابق پڑھا جائے، چہ جائے کہ وہ قراءت کے اختلافات کا خاتمہ کرے۔

اس ضمن میں ایک دل چسپ نکتہ آفرینی یہ کی گئی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے دراصل ان مصاحف پر نقطے اور اعراب قصداً خاص اسی مقصد کے تحت نہیں لگوائے تھے

کہ رسم الخط میں مختلف قراءتوں کی گنجائش باقی رہے۔ زرقانی لکھتے ہیں:

انه قصد اشتمالها على الأحرف السبعة وجعلوها خالية من النقط والشكل تحقيقاً لهذا الاحتمال ايضاً فكانت بعض الكلمات يقرأ رسمها بأكثر من وجه عند تجرّدها من النقط والشكل نحو 'فتبيّنوا' من قوله تعالى "اِنْ جَآئَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا" فانها تصلح ان تقرأ 'فتثبتوا' عند خلوها من النقط والشكل، وهي قراءة أخرى، وكذلك كلمة 'ننشرها' من قوله تعالى "وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِرُهَا" فان تجرّدها من النقط كما ترى يجعلها صالحة عندهم ان يقرء وها "نُنْشِزُهَا" بالزاى وهي قراءة واردة ايضا ۳۲؎

''عثمانؓ نے چاہا کہ یہ مصاحف ساتوں حروف پر مشتمل ہوں، چنانچہ اسی مقصد کے تحت انھوں نے ان مصاحف کو نقطوں اور اعراب سے خالی رکھا۔ یوں بعض کلمات کے نقوش کو، نقطوں اور اعراب سے خالی ہونے کی صورت میں، ایک سے زیادہ طریقوں سے پڑھا جا سکتا تھا۔ جیسے ''اِنْ جَآئَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا'' میں 'فتبینوا' کو اگر نقطوں اور اعراب کے بغیر لکھا جائے تو اسے 'فتثبتوا' بھی پڑھا جا سکتا ہے جو کہ ایک دوسری قراءت ہے۔ اسی طرح ''وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِرُهَا'' میں 'ننشرھا' کا کلمہ، جیسا کہ تم دیکھ سکتے ہو، نقطوں سے خالی ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک زاء کے ساتھ ''نُنْشِزُهَا' بھی پڑھا جا سکتا تھا اور یہ بھی ایک منقول قراءت ہے۔''

اس توجیہ کا بے بنیاد ہونا اس سے واضح ہے کہ اس وقت تک عربی زبان کے رسم الخط میں نقطوں یا اعراب کا طریقہ سرے سے وضع ہی نہیں ہوا تھا کہ ان کے نہ لگائے جانے سے وہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے جو مذکورہ اقتباس میں اخذ کیا گیا ہے۔

بعض متاخرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے ہر مصحف کے ساتھ ایک قاری بھی بھیجا تھا جو مستند قراءت کے مطابق لوگوں کو قرآن کی تلاوت

سکھائے۔ ۳۳؎ تاہم مصحف کے ساتھ قاری بھیجے جانے کا تاریخی طور پر کسی روایت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا اور کم سے کم اب تک کی تحقیق کی روشنی میں اس نکتے کو متاخرین کے ایک قیاسی مفروضے سے زیادہ حیثیت دینا مشکل ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے مذکورہ توجیہات کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے سیدنا عثمانؓ کے اقدام کی افادیت کو ایک اور پہلو سے متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ نے اس نسخہ کی نقل کرانے کے لیے، جو عہد صدیقی میں تیار رہوا تھا، حکومت کی طرف سے ایک سررشتہ قائم کر دیا۔ ... حکم دیا گیا کہ کتابت کی حد تک قرآن کو اسی لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ ﷺ کا تلفظ اور لہجہ تھا۔ ... حضرت عثمانؓ کا مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ لکھاوٹ یعنی نوشت وکتابت کی حد تک انھوں نے قرآن میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیا۔ رہا تلفظ تو ظاہر ہے کہ اس میں وحدت اور یکسانی کا مطالبہ ان کے بس کی بات تھی بھی نہیں، اسی لیے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیا گیا اور آزادی بخشی گئی کہ جس کا جو تلفظ ہے یا تلفظ کی جس نوعیت پر جو قادر ہے، اسی تلفظ اور لب ولہجہ میں قرآن شریف کو وہ پڑھ سکتا ہے۔" ۳۴؎

مذکورہ اقتباس میں ایک تو واضح داخلی تضاد دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ایک طرف یہ کہا گیا ہے کہ "کتابت کی حد تک قرآن کو اسی لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ ﷺ کا تلفظ اور لہجہ تھا" اور دوسری طرف یہ کہ "تلفظ تو ظاہر ہے کہ اس میں وحدت اور یکسانی کا مطالبہ ان کے بس کی بات نہیں تھی"۔ بہ ہر حال بدیہی طور پر یہ دوسری بات ہی درست ہے، کیوں کہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ 'لہجہ اور تلفظ' کو نقطوں اور اعراب کے بغیر کتابت کی مدد سے کیسے واضح کیا جا سکتا تھا؟ جہاں تک اس نکتے کا تعلق ہے کہ سیدنا عثمان کی اس ساری کوشش کا مقصد محض قرآن کی لکھاوٹ یعنی رسم الخط میں یکسانی پیدا کرنا تھا تو یہ بات 'ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ' کا مصداق بنتی ہے،

کیوں کہ سیدنا عثمانؓ کو جس اختلاف سے واسطہ تھا اور جس کو وہ امت کی وحدت کے لیے مضر سمجھتے ہوئے اس کے علاج کی کوشش کر رہے تھے، وہ قرآن کی کتابت کا نہیں، بلکہ اس کی قراءت کا اختلاف تھا۔ اب یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ پیش نظر مسئلہ کچھ اور ہو، لیکن علاج اور مداوا کسی دوسری چیز کا شروع کر دیا جائے۔

بعض اہل علم نے مصحف عثمانی کے متن میں مختلف قراءتوں کی قصداً گنجائش رکھے جانے کے مفروضے کے حق میں اس نکتے سے استدلال کیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مختلف شہروں میں جو مصاحف بھجوائے، ان کے متن بعض مقامات پر باہم مختلف تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ قراءت کے جن اختلافات کو ایک نسخے میں سمونا ممکن نہیں تھا، انھیں متن کے اختلاف کی صورت میں مختلف نسخوں میں شامل کر دیا گیا۔ ۳۵ لیکن اس پر ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخی طور پر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نسخوں میں یہ اختلاف قصداً اور اسی مقصود کے پیش نظر رکھا گیا تھا؟ کیا سیدنا عثمانؓ یہ چاہتے تھے کہ کسی ایک علاقے کی طرف جو نسخہ بھیجا گیا ہے، وہاں کے لوگ صرف انھی قراءتوں سے واقف ہوں جو اس نسخے کے رسم الخط کے مطابق ہیں، جب کہ دوسری قراءتوں سے، جن کو کسی دوسرے نسخے کے رسم الخط میں سمویا گیا ہے، ناواقف رہیں؟ کیا یہ طریقۂ قراءت کے اختلاف کو ختم یا محدود کرنے کا تھا یا آگے چل کر مزید اختلاف کا باعث بننے والا؟ پھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اختلاف قراءت کو رسم کے اختلاف کے ذریعے سے محفوظ کرنے کا یہ طریقہ صرف گنتی کے چند مقامات پر کیوں اختیار کیا گیا؟ جب کہ بیش تر مقامات پر، جہاں قراءت کا اختلاف موجود ہے، سب نسخوں میں ایک ہی طریقے سے الفاظ درج کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کی آیت ۳ میں '**مالک یوم الدین**' اور '**ملک یوم الدین**' کی دو قراءتیں منقول ہیں، لیکن تمام مصاحف میں یہ لفظ الف کے بغیر '**ملک**' ہی لکھا گیا ہے۔ یہاں قراءت کے اختلاف کو واضح کرنے کے لیے بعض نسخوں میں اس لفظ کو الف کے ساتھ کیوں نہیں لکھا گیا؟ اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت ۹ میں '**ومایخدعون الا انفسھم**' کو باب مفاعلہ سے '**ومایخادعون**' بھی پڑھا

گیا ہے اور مجرد سے 'ومایخدعون بھی، لیکن تمام مصاحف میں اسے الف کے بغیر 'یخدعون ہی لکھا گیا ہے۔ اس نوع کی ان گنت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

خلاصۂ بحث

سطور بالا میں مصحف عثمانی کی تدوین سے متعلق پیدا ہونے والے چند اہم سوالات اہل علم کے سامنے رکھے گئے ہیں، تاکہ ان پر زیادہ ارتکاز کے ساتھ غور کیا جا سکے اور ان کی روشنی میں دست یاب ذخیرۂ روایات کا زیادہ تفصیلی جائزہ لیا جاسکے۔ ان سوالات کے روایتی طور پر اور بالعموم سرسری انداز میں جو جوابات دیے گئے ہیں وہ تشفی بخش نہیں ہیں۔ اگر تحقیق سے ان سوالات کے کچھ غیر روایتی جوابات سامنے آتے ہیں تو مصحف عثمانی کی تدوین اور علم قراءات سے متعلق متعدد روایتی مفروضات وتصورات بھی نظر ثانی کے متقاضی ہوں گے۔ تاہم اصل سوالات سے متعلق کوئی حتمی بات سامنے آنے سے پہلے ان اضافی اور ملحقہ سوالات کو چھیڑنا قبل از وقت ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ موضوع سے دل چسپی رکھنے والے اہل علم اپنے نتائج تحقیق سے مقالہ نگار اور قارئین کی رہ نمائی فرمائیں گے۔

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۴۹۸۷

۲۔ کتاب المصاحف، تحقیق: محب الدین عبدالسبحان واعظ، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۲۰۰۲ئ طبع دوم، رقم ۷۴، ص ۲۰۴۔ رقم ۸۲، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۳۔ کتاب المصاحف، رقم ۳۸، ص ۱۷۵، ۱۷۶۔ رقم ۴۵ تا ۴۹، ص ۱۷۹ تا ۱۸۱

۴۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم ۴۹۸۷

۵۔ کتاب المصاحف، رقم ۸۱، ص ۲۰۸

۶۔ کتاب المصاحف، رقم ۸۲، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۷۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق: شعیب الارناؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۲۰۰۸ئ، ص ۱۳۳

۸۔ کتاب المصاحف، رقم ۷۵، ص ۲۰۴

۹۔ صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب قول اللہ تعالیٰ: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ، ۲۸۰۷)

۱۰۔ تقی عثمانی، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۸ئ، ص ۱۹۱

۱۱۔ کتاب المصاحف، رقم ۳۸، ص ۱۷۵، ۱۷۶

۱۲۔ دیکھیے: کتاب المصاحف، رقم ۸۲، ۸۳، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۱۳۔ کتاب المصاحف، رقم ۱۱۷، ص ۲۴۰

۱۴۔ الاتقان فی علوم القرآن، ص ۱۳۳

۱۵۔ الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، تحقیق فواز احمد زمرلی، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ، طبع اول، ۱/۲۱۱

۱۶۔ کتاب المصاحف، رقم ۱۲۱، ص ۲۴۴

۱۷۔ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق مطصفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۱ھ، طبع اول، رقم، ۲۹۰۴، ۲/۲۵۰

۱۸۔ علی المتقی، علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، تحقیق: بکری حیانی، صفوۃ السقا، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ، طبع پنجم، رقم ۴۸۳۲)

۱۹۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، تحقیق عبدالمعطی قلعجی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۰۸ھ، ۷/۱۵۵، ۱۵۶

۲۰۔ البغوی، شرح السنۃ، تحقیق: شعیب الارنوؤط، محمد زہیر الشاویش، المکتب الاسلامی، دمشق، ۱۴۰۳ھ، ۴/۵۲۵، ۵۲۶

۲۱۔ کتاب المصاحف، رقم ۸۸، ص ۲۱۳

۲۲۔ مسند الرؤیانی، تحقیق: ایمن علی، ابو یمانی، مؤسسۃ قرطبۃ، القاہرۃ، ۱۴۱۶ھ، طبع اول، مسند سمرۃ بن جندب، رقم ۸۲۶، ۲/۵۵

۲۳۔ احمد بن حنبل، المسند، تحقیق : شعیب الارنوؤط، عادل مرشد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۲۱ھ، طبع دوم، مسند بنی ہاشم، رقم ۳۴۲۲۔ ابو یعلی، المسند، ۴/۴۳۵

۲۴۔ احمد بن حنبل، المسند، مسند بنی ہاشم، رقم ۲۴۹۴۔ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲/۲۵۰

۲۵۔ الطبرانی، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدی بن عبدالمجید السّلفی، مکتبۃ ابن تیمیہ القاہرۃ، طبع دوم، رقم ۱۲۶۰۲

۲۶۔ السیوطی، جلال الدین، الدر المنثور، دار الفکر بیروت، سنہ ندارد، ۱/۲۵۹

۲۷۔ الدر المنثور، ۱/۲۵۹

۲۸۔ علوم القرآن، ص ۱۵۱، ۱۵۲

۲۹۔ صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، رقم ۴۹۹۳

۳۰۔ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، رقم ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱/۲۹۳–۳۰۳

۳۱۔ الزرقانی، مناہل العرفان، ۱/۲۱۱۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص ۸۵

۳۲۔ الزرقانی، مناہل العرفان، ۱/۲۱۱، ۲۱۲)

۳۳۔ الزرقانی، مناہل العرفان ۱/۳۹۶، ۳۹۷۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص ۸۶

۳۴۔ گیلانی، مناظر احسن، تدوین قرآن، مکتبۃ البخاری کراچی، ۲۰۰۵ئ، ص ۸۴، ۸۵

۳۵۔ عثمانی، علوم القرآن، ص ۱۵۶۔ محمد محمد محیسن، الفتح الربانی، فی علاقۃ القراءات بالرسم العثمانی، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض، سعودی عرب، ۱۴۰۵ھ، ص ۷۷

☆☆☆

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

اس کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھرپور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲

تدوینِ قرآن مجید کی روایات کا تجزیہ

—————— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

گزشتہ مقالہ میں ڈاکٹر محمد عمار خاں ناصر نے عہد عثمانی میں جمع و تدوینِ قرآن کی روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور ان پر چند سوالات اور اشکالات وارد کرتے ہوئے اہلِ علم کو انھیں حل کرنے کی دعوت دی ہے۔ راقمِ سطور نے پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی سے گزارش کی کہ وہ ان کی روشنی میں اپنی آراء قلم بند کردیں۔ انھوں نے ازراہِ نوازش اس درخواست کو قبول فرمایا اور اختصار کے ساتھ موضوع سے متعلق بنیادی نکات تحریر فرمائے ہیں۔ دیگر اصحابِ علم سے بھی گزارش ہے کہ اس موضوع کا تحقیقی جائزہ لیں۔ ان کی نگارشات کے لیے تحقیقاتِ اسلامی کے صفحات حاضر ہیں۔ **(رضی الاسلام)**

روایات بسا اوقات پورے حقائق و واقعات نہیں پیش کرتیں۔ وہ راویانِ حدیث وسیرت وتفسیر کی اپنی معلومات پر مبنی ہوتی ہیں اور جزوی صداقتوں کی حامل۔ متاخر روایات واخبار کا معاملہ اور بھی دگرگوں ہوتا ہے کہ وہ ان کے ناقلین کے افکار و آراء کی اسیر ہوتی ہیں۔ تدوینِ قرآن مجید یعنی متنِ کلام الٰہی کی کتابت، قراءت اور حفظ وتلاوت کی حقیقت صرف ایک ہے۔ وہ کتابِ الٰہی جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اتری اسی طرح اس کی قراءت کی گئی، اسی طرح اس کو حفظ کیا گیا اور اسی طرح اس کی کتابت کی گئی۔ اولین آیاتِ کریمہ کے نزول سے لے کر قریب تیئس برسوں تک پورے قرآن مجید کی تنزیل ہوتی رہی اور وہ صاحبِ قرآن عظیم ﷺ کے ذہن وقلب میں محفوظ کی جاتی رہی اور آپ نے اسی محفوظ و مامون

کتاب کی قراءت، تلاوت اور کتابت کے ساتھ اس کی تعلیم و تدریس فرمائی۔ اس 'حقیقتِ ثابتہ و واحدہ' سے تمام صاحبان علم و ایمان کو پورا پورا اتفاق ہے۔ احادیث و روایات اور اخبار و معلومات کا مطالعہ و تجزیہ اسی حقیقتِ مسلمہ کے تناظر میں کرنا لازمی ہے، جو اکثر و بیشتر نہیں کیا جاتا۔ اسی کوتاہی کے سبب مسائل اور مغالطے پیدا ہوتے ہیں۔ متنِ قرآن کی تدوین و کتابت اور ضبط و قراءت کے اہم ترین 'حقایق' کو سطور ذیل میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے:

☆ حدیث بخاری (۴۹۸۴) اور متعدد آیاتِ قرآنی کے مطابق قرآن کریم کا نزول زبانِ قریش پر ہوا۔ (بخاری/ فتح الباری:۹ / ۱۲–۱۴)

☆ لہٰذا اس کی قراءت و کتابت اور ضبط و تدوین عہد نبوی کے مکی دور میں قریشی زبان کے مطابق کی گئی اور مدنی دور میں بھی زبان و متن قرآن قریش کی ٹکسالی زبان پر منضبط ہوا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امی قومِ عرب کی سہولت کی خاطر ایک سے زیادہ حروف پر متنِ قرآن کی تنزیل کی دعا بار بار، بارگاہ الٰہی میں کی۔ بالآخر سات حروف پر تلاوت و قراءت کی سہولت عطا کی گئی۔

☆ 'سبعۃ احرف' پر تنزیل کا واقعہ مدنی دور کا نہیں، بلکہ مکی عہد کا ہے جو مدنی دور میں بھی جاری رہا کہ رعایت و سہولت سب 'امیوں' کی مطلوب تھی اور مکی سورتوں میں بھی وہ حروف موجود ہیں۔

☆ ان سات حروف کی رعایت سے رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام کو مختلف حروف پر متنِ قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرات عمر فاروقؓ و حکیم بن حزامؓ کا سورۂ فرقان (مکی) کی قراءت و تلاوت میں حروفِ زائدہ پر اختلاف اسی تعلیمِ نبوی کے سبب تھا اور وہ دونوں قریشی تھے۔ اگرچہ ان کے اختلافِ قراءت کی کوئی مثال نہیں مل سکی، تاہم حافظ ابن التینؒ نے اس کی متعدد مثالیں دی ہیں۔

☆ متنِ قرآن کریم کی کتابت و تدوین کا نہادی دور مکی ہے جب مکی کاتبینِ وحی

نے قریشی زبان و املا کے مطابق اس کی کتابت کی اور یہی بنیادی رسم الخط لازمی قرار دیا گیا۔

☆ اصلاً وہ حمیری خط ہے، جو بعد میں کوفی خط کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں اعراب اور نقطے نہیں تھے۔ خط نسخ کے قبول کے قبل زمانے کے تمام قرآنی مصاحف اسی خط میں ہیں اور ان میں سرِ مو بھی فرق نہیں ہے۔

☆ قریشی رسم الخط میں متعدد الفاظ و کلمات کے بعض حروف کا املا خاص تھا، جو عرب رسم الخط سے مختلف تھا، جیسے لفظ 'صراط' قریش 'ص' سے اور عام عرب 'س' سے لکھا کرتے تھے۔ اور اسی طرح 'مسیطر' کا معاملہ ہے۔ متعدد دوسرے الفاظ میں یہی اختلاف ملتا ہے۔ متن قرآن کی کتابت قریشی رسم الخط کے مطابق کی گئی، غیر قریشی صحابہ اور کاتبین نے عام املا اختیار کیا۔

☆ عہد نبوی میں پورا متنِ قرآن مختلف چیزوں پر لکھ لیا گیا تھا اور کوئی آیت نہیں چھوڑی گئی تھی۔

☆ پورے مکی و مدنی دور میں متنِ قرآن کریم کی تلاوت و قراءت رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام بالخصوص ماہرین و معلمینِ قرآن، قریشی ٹکسالی رسم الخط کے مطابق کرتے تھے اور اسی کو معیاری سمجھا جاتا تھا۔ بعض حروف کی عام عرب قراءت خلافِ معیار نہ تھی، صرف لہجہ اور تلفظ کا فرق تھا۔

☆ اولین رمضان المبارک سے آخری رمضان المبارک تک حضرت جبریل علیہ السلام کا معارضۂ متنِ قرآنِ کریم اسی معیاری قراءت و تلاوت کا پابند رہا۔ آخری معارضہ بھی اپنی اصل سے وابستہ تھا۔

☆ معارضۂ قرآن مجید خاص کر معارضۂ اخیرہ کے بارے میں روایات و اخبار کا اصرار کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلیؓ کی قراءت درحقیقت عرضۂ اخیرہ کے مطابق اور آخری قراءت تھی، یا حضرت زید بن ثابتؓ کی قراءت آخری تھی اور آخری عرضہ کے مطابق تھی، جزوی طور پر صحیح ہے۔ حقیقتِ کلّی یہ ہے کہ وہ تمام صحابۂ کرام کی قراءت تھی۔ اسے صاحبِ قرآن

ﷺ سے سب نے اخذ کیا تھا۔ اس جزوی سچ کا خطرناک عنصر یہ ہے کہ قراءتِ ابن مسعودؓ یا قراءت زیدؓ معیاری قراءت سے مختلف یا کسی قدر الگ تھلگ تھیں۔

☆ عرضۂ اخیرہ کے بعد قریب پانچ ماہ تک قرآن مجید کا نزول ہوتا رہا۔ اس کی قراءت و کتابتِ آخری کس کی تھی؟

☆ قراءات کا اختلاف یا تنوّع 'سبعۃ احرف' میں سے کسی ایک پر پڑھنے کے سبب تھا اور وہ معیاری ٹکسالی رسم الخط کے عین مطابق تھا۔ قریشی رسم الخط سے جداگانہ قراءت وتلاوت کسی غیر قریشی قاری اور معلم کا نہ تھا۔

☆ حدیث بخاری (۵۰۰۵) کے مطابق حضرت ابی بن کعب نجاری خزرجیؓ نہ صرف عظیم ترین کاتب تھے، بلکہ بہ قول حضرت عمر فاروقؓ سب سے بڑے قاری بھی تھے۔ (أبیّ أقرؤنا و انا لندع من لحن أبی۔۔۔الخ) اس کے باوجود حضرت فاروقؓ ان کی اکثر قراءات (صحیح سمجھنے کے باوجود) تسلیم نہ کرتے تھے۔ یہی معاملہ حضرت ابن مسعود ہذلیؓ اور دوسرے غیر قریشی قرّاء کرام کی قراءتوں کا تھا۔

☆ معیاری اور ٹکسالی قریشی رسم الخط میں 'سبعۃ احرف' کی رعایت و گنجائش رکھی گئی تھی۔ جیسے سورۂ فاتحہ میں آیت 'ملک یوم الدین' کو مالک یوم الدین اور مَلِک یوم الدین دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے، مگر رسم الخط کی پابندی و ناگزیری کی وجہ سے 'مالک' نہیں لکھا جاسکتا۔ سورۂ بقرہ:۱۰۶: ''ما ننسخ من آیۃ او ننسھا'' میں حضرت ابیؓ آخری کلمہ کی قراءت 'ننسہا' کرتے تھے، مگر لکھتے رسم الخط کے مطابق تھے۔ سورۂ فرقان اور دوسری سورتوں میں ایسی متعدد قراءات اور رسم الخط کی پابندی کا ذکر ملتا ہے۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ نے بحث بھی کی ہے۔

☆ وفات نبوی کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے اولین زمانے میں حضرت عمر فاروقؓ نے پورے متنِ قرآن کریم کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب و کتابت کرانے کا بہ اصرار مطالبہ تحفظ کی خاطر کیا تھا۔

☆ حضرت زید بن ثابت نجاری خزرجیؓ کو حضرات شیخینؓ نے یہ فریضہ سونپا کہ

وہ تمام پارچوں اور چیزوں پر مکتوب قرآنی آیات وسور کو جمع کر کے ان کو کاغذ پر منتقل کردیں اور ان کی کتابت اپنے ہاتھ سے معیاری رسم الخط کے مطابق کردیں۔ انھوں نے یہ کام انجام دیا۔

☆ حضرت زید بن ثابتؓ کی جمع و تدوین اور کتابتِ متن کی تمام روایات و احادیث کا تعلق اسی دورِ خلافتِ صدیقی سے ہے، جب انھوں نے تفتیش وجستجو اور تحقیق و تدقیق سے پورا متن جمع کیا تھا۔ فتح الباری [۹ / ۲۰ و مابعد] میں اس کی شہادت ہے کہ حضرت خزیمہؓ کی سورۂ احزاب کی آیتِ کریمہ کی تائید حضرت عمرؓ نے کی۔

☆ کتابت و تدوین حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں حضرات شیخینؓ کی ایک شرط (یا دو شرطیں) بالعموم نظر انداز کردی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے خلجان پیدا ہوتا ہے۔ اول: صرف حفظ کی بنیاد پر کوئی آیت صحفِ صدیقی میں ضبط نہ کی جائے۔ دوم: ہر ایک پارچۂ کتابت پر دو گواہوں کی شہادت لازمی تھی۔ سورۂ احزاب کی آیت کریمہ: ۲۳ ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الخ'' حدیث بخاری (۲۸۰۷) کے مطابق حضرت زیدؓ وغیرہ کے حافظے میں محفوظ تھی، لیکن کتابت شدہ صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ایک پارچہ میں ملی اور ان کی تنہا گواہی کو فرمان نبوی ﷺ کے مطابق دو عادل گواہوں کے برابر تسلیم کر کے صحفِ صدیقی میں لکھا گیا۔ وہ فقدانِ آیت، صحفِ صدیقی کی تیاری کے ضمن میں تھا، نہ کہ صحفِ صدیقی کے متن میں تھا، جیسا کہ خیالِ خام ظاہر کیا گیا۔ وہ تدوینِ مصحف/ مصاحفِ عثمانی کے وقت کا فقدان بھی نہ تھا۔ (حدیث بخاری: ۴۹۸۸، باب جمع القرآن، فتح الباری: ۹ / ۲۰ میں صحف صدیقی کی ترتیب کا ذکر ہے اور شہادت عمرؓ کا بھی)۔

☆ متعدد صحیفوں کو جب خلافتِ صدیقی میں ایک کتاب کی شکل میں مدوّن و مرتّب کرلیا گیا تو اسے 'مصحفِ امام' کا معنیٰ خیز اور بصیرت افروز نام دیا گیا۔ اس میں تمام آیاتِ سورہ اور تمام سورِ قرآن کریم اسی توقیفی انداز سے مدوّن کی گئی تھیں، جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے قبل مقرر و لازم کی تھیں۔

☆ 'مصحف امام' کی تدوین و ترتیب کے بعد صحابۂ کرام کے اپنے مرتب کردہ صحیفے ان کے پاس باقی رہے۔ ان میں صحیفہ حضرت ابن مسعودؓ نمایاں ترین تھا، جس میں ان کے بہ قول انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دہنِ مبارک سے بالمشافہہ سن کر اور اخذ کرکے ستر پچھتر سورتیں لکھی تھیں۔ (بضعۃ و سبعین) روایات و اخبار میں آتا ہے کہ ان کے صحیفۂ قرآن میں 'معوذتین' نہ تھیں۔ وہ تو صرف دو سورتوں کا معاملہ ہے۔ ان کے صحیفہ میں چوالیس سورتیں منضبط و مکتوب نہ تھیں، کیوں کہ ان کا معیارِ اخذ تلقّی نبوی رہا تھا۔ یہ سوال کوئی دشمنِ اسلام و قرآن بھی نہیں اٹھا سکتا کہ وہ ان سورتوں کو قرآن میں شامل سمجھتے تھے۔ حیرت ہے کہ بعض راویانِ کج بیان نے معوذتین کے بارے میں کیسے گمان کرلیا کہ وہ ان کے خیال میں قرآنی سورتیں نہ تھیں۔

☆ قراءتِ عامہ اور قراءتِ ابن مسعودؓ کا قضیہ قدیم و جدید اہل علم اٹھاتے رہے ہیں۔ صحابی موصوف کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ میں سے بعض کی قراءات کا ذکر روایات میں آتا ہے ان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قراءتِ خاصہ کے بعض نمونے نقل کیے گئے ہیں۔ ان تمام قراءاتِ مختلفہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ متنِ قرآن کریم کی قراءات نہیں تھیں، وہ اصلاً 'تفسیرات و تشریحات' کی قبیل کی مثالیں ہیں، جو صاحبانِ مصاحف نے اپنے اپنے مصاحف میں اپنی سہولت اور بسا اوقات تدریس و تعلیم کی خاطر لکھ لی تھیں۔

۱– حضرات ابن مسعودؓ کی قراءات کی ساتوں مثالوں میں تفسیر و تعبیر کا عنصر ہے۔ ان میں عربیت اور نظمِ کلام کا فقدان بھی ملتا ہے اور آیاتِ قرآنی کے معانی کی کوتاہی بھی۔ جیسے ''واسجدی وارکعی مع الراکعین'' کے بجائے ''وارکعی واسجدی فی الساجدین'' میں ''فی الساجدین'' ہی ہے یا ''لفی خسر وانہ فیہ الی آخر الدھر''میں ہے۔ اس پر طویل بحث کی جاسکتی ہے، جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

۲– حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے ''حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ''میں موخر الذکر کی تفسیر میں 'صلوٰۃ العصر' بطور قراءت لکھ لی تھی۔ صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں روایات کا تضاد اس کا باعث بنا تھا اور مختلف حضرات نے

نماز پنج گانہ میں مختلف نمازوں کو صلوٰۃ وسطیٰ سمجھا اور بقول شخصے ہر ایک نماز ایسی ہے۔

۳ــ ان تمام روایات و اخبار کا ایک سقم یہ ہے کہ وہ سب کی سب متاخر راویوں کے بیان پر مبنی ہیں، سوائے ایک آدھ کے۔ دوسرے یہ قراءات تلاوت کی جاتی تھیں نماز میں یا نماز کے باہر اور قراءتِ عامہ بلکہ قراءت واحدہ کے خلاف تھیں، اس کا ذکر و نقد نہیں ملتا۔ حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے قراءات خاصہ والے اصحاب نے ان کی تلقّی کس سے کی تھی؟ رسول اکرم ﷺ سے ان کا اخذ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ آپؐ نے ان کی قراءتِ واحدہ متفقہ ثبت کرائی تھی اور وہ قریشی معیاری رسم الخط کے مطابق تھی۔ اس کے خلاف قابل قبول نہیں۔ یہی بنیادی اساس تھی جس پر رسم عثمانی او رخطِ عثمانی کو منضبط کیا تھا اور جس کی پابندی لازمی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے تالیفِ ابن مسعودؓ کو صرف ترتیبِ سور کے اعتبار سے تالیف عثمانی کے خلاف بتایا ہے۔ قراءت/ قراءات آیتِ قرآنی وہی قابل قبول تھیں جو قرآن مجید کے بنیادی رسم خط کے مطابق تھیں اور جن میں الفاظ وکلمات کا فرق، کمی بیشی یا اضافہ وزیارت نہیں ملتی۔ اوپر کچھ مثالیں گزری ہیں۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

ــ سورۂ یوسف ۱۱۰: 'حَتّٰى إِذَا اسۡتَیۡأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُوا' میں موخر الذکر لفظ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض دوسرے اصحاب بھی غالباً باب تفعیل میں لے جاتے اور ذال پر تشدید پڑھتے۔ کُذِّبوا۔

ــ سورۂ فرقان کی متعدد آیات کریمہ میں رسم عثمانی / خط نبوی کے مطابق قراءات ہیں، مثلاً:

آیت ــ ۶۱ : وجعل فیها سراجا / وجعل فیها سُرُجاً

آیت ــ ۸ : اوتکون له جنة / او یکون له جنة

آیت ــ ۱۳ : مکانا ضَیِّقاً / مکانا ضَیۡقاً

آیت ــ ۱۹ : ومن یظلم منکم نذقه / ... یذقه

ــ دوسری سورتوں کی بعض آیات کریمہ کی مثالیں حسب ذیل ہیں:

سورہ ہود – ۴۱: بسم اللہ مجریھا / بسم اللہ مجرٰھا۔ موخر الذکر امالہ سے

سورہ روم – ۵۴: اللہ الذی خلقکم من ضُعفٍ / ... ضَعفٍ بفتحہ ض

مصاحفِ عثمانی کی تدوین کے امتیازات

☆ سب کو تسلیم ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قراءت و کتابتِ قرآن میں اضطراب اور عرب وغیر عرب افراد و طبقاتِ امت میں قراءت کے شدید اختلافات کی مسلسل خبریں پا کر صحابہ کے مشورے سے ایک مستند و معیاری متن رائج و نافذ کرنے کا فیصلہ کیا تو حسب ذیل اقدام فرمائے:

اول: اس مصحفِ امام کو طلب فرمایا جو عہدِ صدیقی میں تیار کیا گیا تھا اور خلیفۂ وقت کے خزانے میں رہتا تھا۔ شہادتِ فاروقی کے بعد وہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں چلا گیا تھا، تاکہ خلیفۂ سوم کے انتخاب کے بعد وہ ان کے سپرد کر دیا جائے کہ وہ سرکاری تھا۔ حضرت ام المومنینؓ نے اسے خلیفۂ سوم کے حوالے نہیں کیا۔ کیوں؟ اس کا جواب نہیں ملتا۔ توجیہ کی جاتی ہے کہ وہ اسے 'خزانۂ خیر' سمجھ کر اپنے سے جدا کرنے میں ہچکچاتی تھیں۔ بہر حال خلیفۂ وقت کے طلب کرنے پر انھوں نے اسے ان کے حوالے ضرور کیا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ نسخ مصاحف کے بعد 'مُصحفِ امام' ان کو واپس کر دیا جائے گا۔ خلیفۂ وقت نے ان کے احترام میں ایسا ہی کیا۔

دوم: حضرت عثمانؓ نے چھ/ سات مصاحف تیار کرانے کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی بنائی، جس کے سربراہ حضرت سعید بن العاص امویؓ تھے (بخاری: ۴۹۸۴) حضرت عثمانؓ حضرات زید بن ثابتؓ، سعید بن العاصؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا کہ وہ مصحف امام کو مصاحف میں نقل کریں اور تاکید کی کہ جب تم اور زید بن ثابت قرآن کے کسی لفظ کی 'عربیت' میں اختلاف کرو تو اسے لسانِ قریش میں لکھنا، کیوں کہ قرآن ان کی زبان میں اترا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے شرحِ حدیث میں ابوداؤد کی حدیثِ کعب انصاریؓ نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کو (کوفہ میں بطور امام و مقری تقرری کے

بعد) خط لکھا تھا کہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے اور اس کو انہی کی لغت پر پڑھانا اور لغتِ ہذیل پر نہ پڑھانا۔ دوسری توجیہات بھی ہیں جن سے سردست بحث نہیں۔

☆ حضرت ابن مسعودؓ کی جلالت وعظمت اپنی جگہ اور دوسرے عظیم ماہرینِ قرآن کی منزلت بھی تسلیم، لیکن یہ واقعہ معنی خیز بھی ہے اور شاہدِ عدل بھی کہ 'مصحفِ امام' کی تدوین کے کام میں حضرات شیخینؓ نے ان کو۔ بالخصوص حضرت ابن مسعودؓ۔ کو شریک نہیں کیا تھا، جس کا ان کو شدید شکوہ تھا۔ اس کے نتیجہ میں انھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اپنے بالمقابل طفلِ مکتب قرار دیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب خزرجیؓ جیسے کاتبِ اعظم کو بھی شکوہ تھا۔ مصاحفِ عثمانی کی تدوین وکتابت کے وقت بھی حضرت ابن مسعودؓ کو شریکِ کار نہیں کیا تھا۔ اس کی وجوہ صاف ہیں۔ وہ قریشی نہیں، ہُذلی تھے اور ان کی قراءات سے اتفاقِ عام وخاص نہ تھا، حالاں کہ وہ قرآن مجید کے معیاری رسم خط قریشی یا رسم خط نبوی کے مطابق بھی تھیں۔ ان کی تفسیرات وتشریحات کو چھوڑ کر کہ وہ دوسرے صحابۂ کرام کی مصاحف میں بھی تھیں۔

☆ مقالہ نگار نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی حدیثِ بخاری (۴۹۸۷) تو نقل کی، مگر ان کے بیان کردہ اختلافِ قراءت کو نقل کرنے سے گریز کیا۔ حضرت ابن حجرؒ نے اس کو اپنی شرح میں بیان کرکے اصل معاملہ کھول دیا ہے۔ وہ یہ کہ اہل شام قرآن مجید قراءتِ ابیؓ بن کعب کے مطابق پڑھتے تھے اور اہل عراق قراءتِ عبداللہ بن مسعودؓ کے مطابق اور دونوں ایک دوسرے سے ناواقف ہونے کے سبب جھگڑتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔ اسی طرح قراءتِ ابن مسعودؓ اور قراءتِ ابوموسیٰ اشعری کا اختلاف باعثِ فساد بنا تھا۔ بہ طور مثال 'و أتمّوا الحج والعمرة للہ' اور 'و اتمّوا الحج والعمرة للبیت' کا فرق بھی حضرت حذیفہؓ کو غضب ناک کر گیا تھا۔ ایسی مختلف قراءات تھیں جن کی حقیقت نہیں سمجھی گئی اور وہ وجہِ اختلاف ونزاع بن گئیں۔

☆ عثمانی تدوین مصاحف کی بنیاد واساس صدیقی مصحف امام پر رکھی گئی تھی اور اس پر صحابہ کرام کا کلّی اعتماد تھا، بالخصوص خلیفۂ سوم کا کہ وہ حضرات شیخین کا مرتبہ نسخہ تھا۔ اس پر اعتماد واعتبار نہ کرنے کا خیال خام ہی نہیں، گم راہ کن ہے۔

☆ حضرت عثمانؓ کی تدوین و کتابت کی امتیازی اور جوہری قیمت یہ تھی کہ وہ قریشی، بلکہ صحیح طور سے معیاری نبوی رسم خط پر لکھا گیا تھا اور جہاں مدنی یا دوسرا املا تھا اس کی تصحیح کی گئی تھی۔

☆ مصاحفِ عثمانی کے املا و کتابت اور تدوین پر تمام صحابۂ کرام کا اجماع و اتفاق تھا، بہ شمول حضرات ابن مسعود، ابی بن کعب اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے۔

☆ اختلاف و نزاع کا سبب دراصل وہ تفسیری و تشریحی کلمات و تعبیرات کے اضافے تھے جن کو متاخرین اور خاص کر جدید اہل علم 'قراءات' قرار دینے کی غلطی کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا قراءاتِ ابن مسعودؓ کو اور ان جیسی دوسری تعبیرات و تفسیرات کو مصحف امام میں بھی نہیں رکھا گیا تھا اور نہ حضرت عثمانؓ کے مدوّنہ مصاحف میں۔ رسمِ عثمانی کے مطابق متنِ قرآن کریم کی کتابت، قراءت، تلاوت اور تدریس و تعلیم ان مصاحفِ عثمانی کے ذریعہ کی گئی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ خطِ عثمانی کے مطابق جو قراءات ابیؓ بن کعب وغیرہ تھیں یا دوسرے الفاظ میں سات حروف پر قراءت، وہ خود بخود باقی رہیں۔ (بحث فتح الباری، سبعۃ احرف: ۹ / ۳۰ و مابعد؛ مقالۂ خاکسار اسی عنوان سے؛ فتح الباری: ۹ /۴۱–۴۹، سورۂ فرقان کی آیات میں رسم عثمانی کے مطابق متعدد حروف پر قراءت)۔

☆ اصل و متفقہ متنِ قرآن مجید کی کتابت و اشاعت کے بعد باعثِ فساد و نزاع کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کرنے کا کارنامہ خلیفۂ سوم نے یہ انجام دیا کہ صحابۂ کرام کے تمام دوسرے ذاتی مصاحف جلا دیے یا دھو دیے گئے، تاکہ متن میں کسی قسم کا اختلاف باقی نہ رہ جائے۔ حضرت ابن مسعودؓ کو اپنے ذاتی مصحف کے حسنِ خاتمہ پر ملال تھا، لیکن اختلاف نہ تھا۔ (فتح الباری: ۹ / ۲۷ و مابعد: وأمر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق)۔

☆ آخر میں مصحفِ امام حضرت حفصہؓ کے پاس بچ گیا اور خلیفۂ عظیم کے اصرار کے باوجود وہ حوالہ نہ کیا۔ حضرت مروان بن حکم اموی نے اپنے ولایتِ مدینہ کے زمانے میں ام المومنینؓ سے بار بار مصحفِ امام حوالہ کرنے کی درخواست کی، لیکن وہ راضی نہ

ہوئیں۔ عاملِ مدینہ نے ان کے احترام میں جبر نہ کیا، لیکن ان کی وفات کے دن، بلکہ تدفین کے معاً بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ذریعہ مصحفِ امام طلب کیا اور اس کو دھو دیا یا جلا دیا، تا کہ کوئی دوسرا غیر متفقہ نسخہ باقی نہ رہے۔

☆ حضرت عثمانؓ اور ان کے عمّال کے ان اقدامات سے متفقہ اصل متن قرآن کریم محفوظ کر دیا گیا اور اس میں کسی قسم کے 'غیر قرآ'' عنصر کی دخل اندازی کا راستہ بند کر دیا گیا۔ مصاحفِ عثمانی کی تدوین و اجرا اور نفاذ کے لمحہ سے آج تک متنِ قرآن کریم ایک اور یکساں ہے اور اس میں کسی شوشے و نقطے اور کسی شایبے کا داخلہ کبھی نہ ہوسکا اور نہ ہو سکے گا۔

☆ حیرت و افسوس اور اس سے زیادہ مذمّت و نقد کا مقام ہے کہ محفوظ و مامون متنِ قرآنی کے بالمقابل ان روایت و قراءات و اضافات کو محض روایت پرستی کی بنا پر مسلسل پیش کیا جا تا رہا ہے جو 'اصل متن قرآن' میں دخل در معقولات کر کے اسے نزاعی اور غیر متفقہ بنانے کی سازش ہائے غیر کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

☆ آخر میں سوال کا الزامی جواب یہ ہے کہ 'صحابہ کرام کی متفقہ امتِ خیر' کے اجماعی نسخۂ متنِ قرآنِ کریم کے مقابلے میں ان قراءاتِ شخصی یا قراءاتِ شاذہ کا مسئلہ کیوں اٹھایا جاتا ہے جو اصلاً قراءاتِ قرآنی نہیں تھیں، نہ حروفِ سبعہ پر مبنی ہیں، بلکہ وہ محض تفسیرات و تشریحات ہیں۔

محض روایات و اخبار کا اختلاف و تضاد 'مجتمع علیہ اور متفقہ متن قرآن' کے سامنے روایتی اور درایتی حیثیت سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ان کے اختلافات و تضادات کا مطالعہ و تجزیہ ان کے صحیح تناظر اور قرآنی حقیقتِ واحدہ کے پس منظر میں کیا جائے تو وہ اپنی حقیقت کھول دیں گے اور موجودہ متفقہ متن کی تائید و توثیق اور تصدیق کرتے نظر آئیں گے۔

☆☆☆

مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے شائقین کے لیے

سنہری موقع

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ میں دو سالہ تصنیفی تربیت کورس کے لیے

ایسے اسکالرس کی ضرورت ہے جو:

☆ مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وترجمہ کا ذوق رکھتے ہوں۔

☆ عربی، انگریزی اور اسلامیات کی اچھی استعداد رکھتے ہوں۔

☆ اپنے علمی وفکری ارتقاء کے خواہش مند ہوں۔

اس کورس کے امیدوار کے لیے ضروری ہے کہ وہ:

☆ کسی معروف عربی درس گاہ سے فضیلت یا اس کے مساوی سند کا حامل ہو یا کسی کالج/ یونیورسٹی سے گریجویٹ ہو۔ اس کی عمر ۲۵/سال سے زائد نہ ہو۔

منتخب طلبہ کو ادارہ کے خوب صورت اور وسیع کیمپس میں قیام کی سہولت کے ساتھ پانچ ہزار روپئے ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔ خواہش مند طلبہ درخواست کے ساتھ اپنے کوائف مع اسناد کی نقول اس طرح ارسال کریں کہ ۳۰/اکتوبر ۱۵ء تک ادارہ کو موصول ہو جائے۔ جن افراد کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا انہیں دونوں طرف کا سلیپر کلاس کا کرایہ دیا جائے گا۔

نوٹ: ادارہ کے مختلف علمی وتحقیق منصوبوں کی تکمیل کے لیے اصحابِ علم و اہلِ خیر سے دعاؤں، مشوروں اور مالی تعاون کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی

سکریٹری ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، جمال پور، علی گڑھ

موبائل:9410060558

بحث ونظر

عہدِ نبوی میں یمن میں اشاعتِ اسلام
ایک مطالعہ

———————— حافظ محمد سرفراز غنی

اللہ تعالیٰ نے عرب کے جنوبی خطۂ زمین یعنی یمن کو جس طرح دنیاوی ترقی کے تمام اسباب عطا فرمائے تھے اسی طرح عقائد کی درستی کے لیے عظیم المرتبت پیغمبر مبعوث کیے تھے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام، سیدنا صالح علیہ السلام اور سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوتِ توحید کا مرکز جزیرہ نمائے عرب کا یہی خطہ تھا، بلکہ سیدنا ہود علیہ السلام کے روضۂ انور کا یمن کے شہر حضر موت میں موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی دعوت توحید اور پیغام حق کا میدان سرزمینِ یمن ہی تھی۔ بعد میں دوسری قوموں کی طرح اہلِ یمن نے بھی تعلیماتِ خداوندی سے آہستہ آہستہ روگردانی کی اور انبیاء علیہم السلام کی بتائی ہوئی تعلیمات صحیحہ کو چھوڑ کر معبودانِ باطلہ کی پوجا شروع کردی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت دنیا میں رائج شدہ مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہ ہوگا جس کے پیروکار یمن میں نہ موجود ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو دعوتِ اسلام عام کرنے کا حکم دیا تو آپ ؐ نے یمن کے مذہبی اور سیاسی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں کے باشندوں کو ایمان کی دولت سے فیض یاب کرنے کی طرف بھرپور توجہ دی۔ اس مقالہ میں ان بنیادی عوامل کا تذکرہ کیا گیا ہے جو یمن میں اشاعتِ اسلام کا ذریعہ بنے۔

۱۔ شاہ راہیں اور تجارتی منڈیاں

وہ اسباب جن کے ذریعے اسلام کی دعوت اہل یمن تک پہنچی، ان میں سے

ایک عربی شاہ راہیں یا منڈیاں ہیں۔ یمن اپنے جغرافیائی اور اقتصادی محل وقوع کی وجہ سے تمام عرب کے لیے اہم ہے، کیوں کہ وہ اہم تجارتی شاہ راہوں کے درمیان واقع تھا۔ جزیرہ نمائے عرب میں تجارتی قافلے دو ہی راستوں سے گزرتے تھے۔ ان کے لیے کوئی تیسرا راستہ نہ تھا:

۱– ایک راستہ مشرقی تھا جو عراق میں عمان کے ساتھ جا ملتا تھا۔ اسی راستے سے یمن، ہندوستان اور ایران کا تجارتی سامان اِدھر اُدھر منتقل ہوتا تھا، پھر یہی راستہ مغربی عراق کو بادیۃ الشام سے ملاتا تھا۔ اس طرح اس راستے سے شام کی منڈیوں تک ایک چکر مکمل ہوتا تھا اور تاجر یمن، عراق، تدمر اور شام کی منڈیوں سے گزرتے ہوئے ہندوستان جاتے تھے۔ یوں دونوں اطراف کے تجار ان چیزوں کا آپس میں تبادلہ کرتے تھے جو ایک دوسرے کے ہاں پیدا نہ ہوتی تھیں۔

۲– دوسرا اہم ترین راستہ مغربی راستہ تھا جو بہ قول سعید الافغانی: ''یمن اور حجاز کے علاقوں سے گزرتا ہوا یمن کو شام سے ملاتا تھا۔ اس راستے کی بدولت یمن، حبشہ اور ہندوستان کے تجارتی سامان کو شام کی طرف منتقل کیا جاتا تھا اور شام کے تجارتی سامان کو یمن کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ پھر یہی راستہ حبشہ، مشرقی افریقہ اور سمندر کے ذریعے ہندوستان کی طرف جاتا تھا۔''[۱]

ان شاہ راہوں کی وجہ سے یمن کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ان کی بدولت جزیرہ نمائے عرب کے تاجر بھی یمن کو اہمیت دیتے تھے۔ اس کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں تجارتی بازاروں یا منڈیوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اگر زمانۂ قدیم یعنی قبل از اسلام کے نقشے کو بہ غور دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان منڈیوں میں سے زیادہ تر مذکورہ دونوں شاہ راہوں پر لگتی تھیں۔

اہل یمن تجارت کے لیے قافلوں کی صورت میں اپنے شہروں سے ان دونوں تجارتی راستوں سے گزرتے ہوئے دوسری عربی منڈیوں کی طرف نکلتے تھے۔ جیسے عرفہ کے پاس ذی المجاز، شام اور حجاز کے درمیان دومۃ الجندل، مکہ اور طائف کے درمیان

سوقِ عکاظ، جو عرب کی عظیم ترین منڈیوں میں سے ایک تھا۔

مورخین نے درج بالا حجازی منڈیوں میں اہل یمن کے آنے کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً حضرت عفیف کندیؓ کے متعلق آتا ہے کہ ''وہ تجارت کی خاطر یمن سے مکہ مکرمہ میں آتے تھے اور وہ حضرت عباسؓ کے دوست تھے۔''۲؎ اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ: ''قیس بن مکشوح مرادی ۳؎ عکاظ کی منڈی میں آیا کرتے تھے اور وہاں بعض اشخاص کے ساتھ انھوں نے دوستی قائم کر رکھی تھی۔''۴؎

درج بالا واقعات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی خبر ابتدا ہی میں اہلِ یمن تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعض اور بھی ثبوت ملتے ہیں:

۱۔ حجازی بازاروں میں رسول اللہ ﷺ کی اعلانیہ دعوت کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ اس کے متعلق حضرت ربیعہ بن عبادہؓ، جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے جاہلیت کے زمانے میں رسول اکرم ﷺ کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے تھے: **قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا۔**۵؎ (اے لوگو! لاالہ الا اللہ کہو، تم کامیاب ہو جاؤ گے)۔ اسی طرح ابن سعد رقم طراز ہیں: ''حضور ﷺ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کی منڈیوں میں لوگوں کی رہائش گاہوں پر تشریف لے جاتے اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے۔''۶؎

۲۔ مکۃ المکرمہ کی منڈیوں اور تجارتی بازاروں میں دعوتِ اسلام دینے کا ایک ثبوت حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی درج ذیل روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''میں ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ یمن کی طرف نکلا، جس میں ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔ دوران سفر ابوسفیان نے مجھ سے دریافت کیا: اے ابوالفضل! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا بھتیجا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے؟ میں نے جواب دیا: میرا کون سا بھتیجا؟ ابوسفیان نے کہا: تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ تمہارے بھتیجوں میں سے ایک کے سوا کس کو یہ بات

کہنی چاہیے؟ میں نے کہا: کون سا بھتیجا؟ انھوں نے کہا: محمد ﷺ بن عبداللہ۔ میں نے کہا: انھوں نے کیا فرمایا ہے؟ یہ سن کر ابوسفیان نے اپنے نام ایک خط نکالا اور کہا کہ یہ خط حنظلہ بن ابی سفیان کے نام ہے، جس میں مذکور تھا: میں تمھیں خبر دیتا ہوں کہ محمد ﷺ ابطح وادی میں کھڑے ہوئے اور کہا: ''میں تمھیں اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔'' یہ سن کر حضرت عباسؓ نے فرمایا: اے ابوحنظلہ! میں اسے سچا پاتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: اے ابوالفضل! ٹھہرو، اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اس طرح کی بات کہیں۔ یہ خبر جب یمن کے علماء یہود تک پہنچی تو ایک یہودی نے ابوسفیان سے پوچھا: یہ کیسی خبر ہے؟ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کوئی اس شخص کا چچا ہے جس نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: یہ سچ ہے۔ میں اس کا چچا ہوں۔ یہودی نے پوچھا: کیا تم اس کے باپ کے بھائی ہو؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! یہودی عالم نے ابوسفیان سے کہا: پھر مجھے ان کے بارے میں بتاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: مجھ سے ان کے بارے میں نہ پوچھو۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ہمیشہ اس بات کا دعویٰ کریں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ ان پر عیب لگاؤں گا۔ اس کے بعد اس یہودی عالم نے حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کو بلایا تو انھوں نے اس سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے میرے چچا زاد سے ہمارے خاندان میں سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور انھوں نے تمھیں بتایا ہے کہ وہ ان کے چچا ہیں۔ وہ ان کے چچا نہیں ہیں، بلکہ چچا کے بیٹے ہیں۔ میں ان کا چچا اور ان کے باپ کا بھائی ہوں۔ یہودی عالم نے پوچھا: ان کے باپ کا بھائی؟ میں نے کہا: ہاں، ان کے باپ کا بھائی۔ اس پر وہ ابوسفیان کی طرف متوجہ ہوا اور دریافت کیا: کیا اس نے سچ کہا؟ انھوں نے کہا: ہاں سچ کہا ہے۔ میں نے کہا: مجھ سے پوچھو، اگر میں جھوٹ بولوں تو یہ اس کی تردید کر دے گا۔ چنانچہ وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمھارے بھتیجے کو پاگل پن یا جنون تو نہیں ہے؟ میں نے کہا: نہیں، عبدالمطلب کے خدا کی قسم! نہ انھوں نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ خیانت کی۔ قریش کے ہاں ان کا لقب امین ہے۔ یہودی نے پوچھا: کیا انھوں نے کبھی اپنے ہاتھ سے لکھا؟ حضرت عباسؓ کہتے ہیں: میں نے گمان کیا کہ یہ وصف آپؐ کے لیے بہتر ہے۔ اس لیے میں نے اس

سوال کا جواب اثبات میں دینے کا ارادہ کیا، لیکن مجھے یاد آیا کہ ساتھ میں ابوسفیان موجود ہے، وہ مجھے جھٹلا دے گا اور میری بات کی تردید کر دے گا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ آپؐ لکھتے نہیں ہیں۔ اس پر اس یہودی عالم نے جھُرجھُری لی، اس کی چادر گر پڑی اور وہ کہنے لگا: یہودی ذبح ہو گئے، یہودی ہلاک ہو گئے۔ عباس کہتے ہیں: پھر جب ہم اپنے گھروں کو لوٹے تو ابوسفیان نے کہا: اے ابو الفضل! بے شک یہودی تیرے بھتیجے سے ڈرتے ہیں۔ میں نے کہا: میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو تم نے دیکھا ہے تو اے ابوسفیان! کیا تم ان پر ایمان لے آؤ گے؟ ابوسفیان نے جواب دیا: اس کے متعلق وقت بتائے گا کہ میں کیا کروں گا۔'' ۸؎

بعثتِ نبوی کے ابتدائی زمانہ میں یمن کے علمائے یہود کی مجالس میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا تذکرہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اہل یمن کو یہ خبر قریشی یا یمنی تاجروں کے ذریعے پہنچ چکی تھی۔ اس بات کا ایک اور ثبوت بلاذری کی طرف سے لکھی گئی صلح حدیبیہ کی شرائط کے ذکر سے بھی ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''قریش نے صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ شرط بھی رکھی تھی کہ یمن، طائف اور شام کی طرف جانے والے تجارتی راستوں کو ہر طرح سے پُر امن رکھا جائے گا۔'' ۹؎

اس کا مطلب یہ ہے کہ قریشی تاجروں کے نزدیک یمن اور اس کی طرف جانے والی شاہ راہیں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ یمن جانے سے نہیں رکتے تھے اور انھوں نے اس راستے پر مسلمانوں کے تسلط کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے یہ شرط عائد کی تھی۔ اہل قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کی شرائط طے کرتے ہوئے درج بالا شرط عائد کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح تجارت کی غرض سے یمن جانا قریش کی مجبوری تھی اسی طرح اہل یمن بھی مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد منعقد ہونے والے تجارتی میلے نہیں چھوڑتے تھے۔ ان دوطرفہ روابط کی صورت میں ناممکن تھا کہ اہل یمن کو بعثت رسول ﷺ اور تعلیمات اسلام کی خبر نہ پہنچتی۔

۲۔ حج اور عمرہ کے ایام

دوسرا ذریعہ جس کی بدولت اسلام کی شعاعیں اہل یمن کے قلوب کو روشن کرنے لگیں وہ حج اور عمرہ کے ایام تھے۔ اہل عرب حج کے ایام میں مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے تھے۔ اگرچہ ان کی ادائی حج کا وہ طریقہ نہ تھا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بتایا تھا، مگر پھر بھی وہ اپنی مشرکانہ رسوم کے ساتھ اس کی ادائی کا اہتمام بڑے شوق سے کرتے تھے۔ اس کے لیے پورے عرب سے لوگ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ کا سفر کرتے تھے۔ حج کے ایام میں رسول اللہ ﷺ تمام عرب سے آئے ہوئے لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کی بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ اس کے لیے آپ ہر سال حج کے موسم میں حاجیوں کی قیام گاہوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب بھی آپؐ کسی صاحبِ شرف شخص کے بارے میں سنتے کہ وہ مکہ مکرمہ میں آیا ہوا ہے تو اس کی طرف بھرپور توجہ دیتے اور اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے۔ آپؐ کے اس عمل کے متعلق حضرت ربیعہ بن عبادہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک نوجوان لڑکا تھا اور منیٰ میں اپنے باپ کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ عرب قبائل کی قیام گاہوں کے درمیان کھڑے ہو کر فرما رہے تھے:

یا یھا الناس ! ان اللہ یامر کم ان تعبدو او لا تشر کو ابہ شیا[۱۰]

''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔''

درج بالا خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کا قصد کیا ان میں اہل یمن کے کچھ قبائل کے لوگ بھی تھے، مثلاً اہل کندہ، بنی حارث بن کعب، عذرہ اور حضارمہ۔

حضرت حارث بن حارث غامدیؓ، جو قبیلہ مذحج کی ایک شاخ غامد سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے اپنا مشاہدہ ان الفاظ میں بیان کیا:

"میں نے اپنے باپ کے ساتھ حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپؐ لوگوں کو دعوت توحید دے رہے تھے اور قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر رہے تھے۔"۱۱؎

حضور ﷺ کے اس دعوتی عمل کو روکنے کے لیے قریشِ مکہ اپنی تمام کوششیں بروئے کار لاتے تھے۔ وہ اس بات کی بھرپور کوشش کرتے تھے کہ آپؐ کی دعوت سے کوئی شخص یا قبیلہ متاثر نہ ہو۔ اس کے لیے انھوں نے باقاعدہ ایک کمیٹی بنا رکھی تھی جس کا رکن آپؐ کا چچا ابولہب بھی تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرتا اور جہاں بھی آپؐ کلام کرتے یا لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے، وہ اس کی تردید کرتا۔ خاص طور سے حج و عمرہ کے ایام میں آپؐ کے پیچھے لگ جاتا۔ جب بھی آپؐ حجاجِ کرام کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے تشریف لے جاتے تو وہ وہاں پہنچ جاتا اور کہتا: "لوگو! یہ شخص تمھیں اپنے آباء کا دین چھوڑنے کو کہتا ہے، اس کی بات نہ مانو۔"۱۲؎

دوسری طرف نبی کریم ﷺ کو حضرت عباسؓ اسلام کی اشاعت کے لیے یمن سے آئے ہوئے قبائل کی قیام گاہوں کی طرف لے جاتے۔ جب وہ آپؐ کو قبیلہ کندہ کی قیام گاہ پر لے گئے تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کندہ کے لوگ ہیں۔ یہ یمن سے بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے آنے والے لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: یمن سے۔ آپؐ نے فرمایا: یمن کے کس قبیلہ سے؟ انہوں نے کہا: کندہ سے۔ فرمایا: کندہ کے کون سے خاندان سے؟ انہوں نے کہا: بنی عمرو بن معاویہ سے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمھیں بھلائی کی طرف دعوت دوں؟ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، نماز قائم کرو اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس جو کلام آیا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے عرض کیا: اگر اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو کیا آپؐ اپنے بعد بادشاہی ہمارے لیے چھوڑیں گے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک بادشاہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، وہ جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔"۱۳؎

نبی اکرم ﷺ کا یہ دعوتی طریقہ اتنا کام یاب ہوا کہ چند سالوں میں اہل یمن کے تمام بڑے قبائل تک آپ ؐ کا پیغام پہنچ گیا۔حضرت عفیف کندی ؓ اور حضرت مقداد بن اسود ؓ اسلام لے آئے اور اپنے قبائل میں جا کر دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے لگے۔

۳۔ داعیانِ اسلام کا دعوتی کردار

اہل یمن کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا ایک بڑا ذریعہ داعیانِ اسلام کا دعوتی کردار بھی تھا۔ ان کی یمن کی طرف روانگی کی ابتداء مکی عہدِ رسالت کے ابتدائی سالوں میں ہی ہو گئی تھی۔ اس دور کے نمایاں داعیانِ اسلام میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اور حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ تھے۔ البتہ یمن کی طرف باقاعدہ طور پر دعاۃ کو بھیجنے کا سلسلہ ۸ ہجری میں حضرت علی ؓ کو قبیلۂ طے کی طرف روانگی سے ہوا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے حضرات معاذ بن جبل، خالد بن ولید، عمرو بن حزم، زیاد بن لبید، طاہر بن ابی ہالہ اور مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہم کو یمن کی طرف روانہ فرمایا۔

ان داعیانِ اسلام کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اشاعتِ دین کے چندرہ نما اصول وضوابط بتائے۔ مثلاً جب حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کو بہ طور مبلغ یمن کی طرف روانہ فرمانے لگے تو آپ ؐ نے انھیں یہ نصیحت کی:

> **یسّرا ولاتعسّرا، بشّرا ولاتنفرا، تطاوعا ولاتختلفا۔** ۱۴
>
> ''لوگوں کے لیے آسانیاں فراہم کرنا ، انھیں سختیوں میں مبتلا نہ کرنا، دیکھو تمھیں بشارت دینے والا بن کر جانا ہے اور لوگوں کو خوش خبریاں دینی ہیں۔ ان کو اسلام سے دور نہیں کرنا ہے۔ تم دونوں آپس میں اتفاق رکھنا، اختلاف کا شکار نہ ہونا۔''

جب کوئی داعی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ناکامی اور قبیلے

والوں کی ہٹ دھرمی کے متعلق بتاتا تو آپؐ اس کو نئی ہدایات دے کر پھر روانہ کردیتے۔ مثلاً جب حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کو بہ طور داعی اپنے قبیلے میں کوئی خاص کامیابی نہ ملی تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری قوم کی ہلاکت کے لیے بدعا کردیں، مگر آپؐ نے بددعا کرنے کے بجائے ان کے حق میں دعا کی: **اللھم اھد دوساً** (اے اللہ، قبیلۂ دوس کو ہدایت دے) پھر حضرت طفیلؓ کو حکم دیا:

> **ارجع الی قومک فادعھم وارفق بھم۔** ۱۵؎
>
> ''اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، ان کو دین حق کی طرف بلاؤ اور ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو۔''

اسی طرح آپؐ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو بہ طور داعی یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو روانگی سے قبل انھیں یہ نصیحت فرمائی:

یا معاذ! اني أوصیک بتقوی اللہ وصدق الحدیث ووفاء بالعھد وأداء الأمانة وترک الخیانة ورحمة الیتیم وحفظ الجار وکظم الغیظ وخفض الجناح وبذل السلام ولین الکلام ولزوم الایمان والتفقه بالقرآن وحب الآخرة والجزع من الحساب وقصر الأمل وحسن العمل وأنھاک أن تشتم مسلمًا أو تصدق کاذبًا أو تکذب صادقًا أو تعصي امامًا عدلاً۔ یامعاذ! اذکر اللہ عند کل حجر وشجر وأحدث مع کل ذنب توبة، السر بالسر، والعلانیة بالعلانیة، وعد المریض، وأسرع في حوائج الأرامل والضعفائ، وجالس الفقراء والمساکین، وأنصف الناس من نفسک، وقل الحق ولا تأخذک في اللہ لومه لائم۔ ولا تقضینّ ولا تفصلنّ الاّ بما تعلم۔ وان أشکل علیک أمر فقف حتی تبیّنه أو تکتب اليّ فیه۔ اذ قدمت علیھم فعلّمھم کتاب اللہ وأدّبھم علی الأخلاق، وأنزل الناس منازلھم من الخیر والشر، ولا تھاب في أمر اللہ ولا في مال اللہ، فانه لیس لک ولا لأبیک، وعلیک باللین والرفق في غیر ترک الحق حتی

يقول الجاهل :قد ترك يعني الحق، و اعتذر الى أهل عملك في كل أمر خشيت أن يقع في أنفسهم عليك عتب حتى يعذروك، و ليكن من أكبر همك الصلاة، فانها رأس الا سلام بعد الاقرار بالدين۔ اذا كان الشتاء فعجّل الفجر من طلوع الفجر و أطل القرائة في غير أن تملّ الناس، أو يكن اليهم أمر الله، و عجّل الظهر حين تزول الشمس، و صلّ العصر و المغرب على ميقات واحد في الشتاء و الصيف۔ و صلّ العصر و الشمس بيضائ، و صلّ المغرب حين تغرب الشمس، و صل العتمة و أعتم بها فان الليل طويل، و اذا كان الصيف فاسفر في الفجر، فان الليل قصير و الناس ينامون، فأمهلهم حتى يدركوها۔ و أخّر الظهر بعد أن يتنفّس الظل و يتحول الريح ؛فان الناس يقيلون، فأمهلهم حتى يدركوها۔ و صل العتمة و لا تعتم بها فان الليل قصير۔ و أتبع المو عظة الموعظة، فانها أقوى لهم على العمل بما يحب الله، و ابعث في الناس المعلّمين، و احذر الله الذي ترجع اليه۔ انك تقدم على أهل كتاب و انهم سائلوك عن مفاتيح الجنة، فأخبر هم أن مفاتيح الجنة لا اله الا الله۔ تواضع الله يرفعك۔ و استدق الدنيا تلقك الحكمة۔ و في رواية :يؤتك الله الحكمة۔ فان من تواضع لله عزو جل و استدق الدنيا، أظهر الله الحكمة من قبل على لسانه۔ و استشر فالمستشير معان، و المستشار مؤتمن۔ ثم اجتهد، فان الله (عزو جل) ان يعلم منك الصدق يو فقك، و ان التبس عليك فقف، و امسك حتى تبيّنه، أو تكتب اليّ فيه۔ و لا تضربنّ فيما تجد في كتاب الله و لا في سنتي على قضاء الا عن ملأ، و احذر الهوى فانه قائد الأشقياء الى النار۔١٦ ؎

''اے معاذ! میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی، سچ بولنے کی، وعدہ پورا کرنے کی، امانت ادا کرنے کی، خیانت نہ کرنے کی، یتیم پر رحم کرنے کی، پڑوسی کی حفاظت کرنے کی، غصہ پینے کی، نرمی کرنے کی، سلام پھیلانے کی، نرم بات کرنے کی، ایمان پر پختگی کی، قرآن مجید کو سمجھنے کی، آخرت سے محبت کرنے کی، حساب سے ڈرنے کی، آرزوؤں کو کم

کرنے کی، اچھے اعمال کرنے کی۔ اور میں تمھیں منع کرتا ہوں اس سے کہ کسی مسلمان کو برا بھلا کہو یا کسی جھوٹے کی تصدیق کرو اور کسی سچے کو جھوٹا قرار دو یا کسی عادل امام کی نافرمانی کرو۔ اے معاذ: ہر پتھر اور درخت کے قریب اللہ کا ذکر کرو، ہر گناہ کے بعد توبہ کرو، اگر گناہ پوشیدہ ہو تو توبہ بھی خاموشی سے کرلو، لیکن اگر گناہ کا ارتکاب کھلّم کھلاّ کیا ہو تو توبہ بھی علانیہ کرو، مریض کی عیادت کرو، کم زور اور بے حال لوگوں کی ضرورت پورا کرنے میں جلدی کرو، فقراء اور مساکین کے ساتھ بیٹھو، لوگوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، حق بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کرو، بغیر علم کے فیصلہ نہ کرو، جس بات کا علم نہ ہو اس کا فیصلہ کرنے سے رک جاؤ، یہاں تک حق واضح ہوجائے یا اس کو مجھے لکھ کر بھیجو۔ جب کوئی تمھارے پاس آئے تو اس کو قرآن کریم کی تعلیم دو اور ان کو اخلاق سکھاؤ۔ اچھے اور برے لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبہ کے مطابق معاملہ کرو۔ اللہ کے معاملہ میں اور اللہ کے مال میں کسی سے محبت نہ کرو، وہ مال نہ تمھارا ہے نہ تمھارے باپ کا۔ نرمی اور شفقت کو لازم پکڑو، حق چھوڑنے کے علاوہ کہ جاہل یہ گمان کرنے لگے کہ حق کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اپنے ماتحت عملہ سے ہر اس معاملہ میں معذرت کرو جس کے بارے میں تمھیں اندیشہ ہو کہ اس میں وہ تم سے ناراض ہوں گے، تاکہ وہ تمھارا عذر قبول کرلیں۔ تمام احکام میں سب سے اہم نماز ہے، جو کہ اسلام کی بنیاد ہے اس کا اقرار کرنے کے بعد۔ سردیوں میں طلوع فجر کے بعد نمازِ فجر جلدی ادا کرا اور اس میں لمبی قراءت کرو، مگر اتنی لمبی بھی نہیں کہ وہ اکتا جائیں۔ اور سورج ڈھلنے کے بعد ظہر جلدی ادا کرو۔ سردی اور گرمی دونوں میں عصر و مغرب کا وقت ایک ہے۔ سورج کی سفیدی میں عصر پڑھو اور سورج غروب ہونے کے بعد مغرب پڑھو۔ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھو، کیوں کہ سردی کی رات طویل ہوتی ہے۔ گرمیوں میں فجر دیر سے پڑھو، کیوں کہ راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور لوگ سو رہے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کو جماعت میں شامل ہونے کا موقع دو اور ظہر کو مؤخر کرو، یہاں تک کہ ہوا معتدل ہوجائے، کیوں کہ لوگ اس وقت قیلولہ کر رہے ہوتے ہیں، لہٰذا ان کو جماعت میں شامل ہونے کا موقع دو۔ عشاء کی نماز گرمیوں میں جلدی پڑھو، کیوں کہ راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ لوگوں کو مسلسل نصیحت کرتے رہو، یہ ان کے دل میں اللہ کی مرضی کے مطابق عمل میں پختگی پیدا کرے گا۔

لوگوں میں معلّمین بھیجو۔ اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمھیں لوٹ کر جانا ہے۔تم اہل کتاب کے پاس جاؤگے تو وہ تم سے جنت کی چابیوں کے بارے میں پوچھیں گے۔ان کو بتانا کہ جنت کی چابیاں ''لا الہ الااللہ'' ہیں۔ اللہ کے لیے تواضع اختیار کرو، وہ تمھیں بلندی عطا کرے گا۔ دنیا کو حقیر جانو، اللہ تمھیں حکمت عطا کرے گا۔ جو شخص تواضع اختیار کرے گا اور دنیا کو حقیر جانے گا اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر حکمت جاری کردے گا۔مشورہ کرو، اس لیے کہ جو مشورہ کرتا ہے اس کی مدد کی جاتی ہے اور جس سے مشورہ کیا جائے اس کو امانت دار رہونا چاہیے۔ پھر معاملات حل کرنے میں غور وفکر کرو۔ اگر اللہ تم کو سچا جانے گا تو تمھیں راستی کی توفیق دے گا۔اور اگر تم پر معاملہ گڈمڈ ہوجائے تو توقف کرو، یہاں تک وہ تم پر واضح ہوجائے یا اس کے بارے میں مجھے لکھ بھیجو، اللہ کی کتاب اور میری سنت میں جو کچھ پاؤ اس کے مطابق فیصلہ علانیہ کرو اور خواہشِ نفس سے بچو، اس لیے کہ وہ بدبختوں کو جہنم میں لے جانے والی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ واضح کرتا ہے کہ داعی یا مصلح کا کردار کیسا ہونا چاہیے اور اسے دورانِ دعوت کن باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ باتیں مبلغینِ اسلام کے لیے ایک منشور یا چارٹر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

درج بالا نصیحت کے علاوہ کتبِ حدیث وسیرت میں نبی کریم ﷺ کی اور بھی نصیحتیں مروی ہیں جو آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو کی تھیں۔مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا:

> **إنک ستأتي قوماً من أهل کتاب فإذا جئتهم فادعهم إلی أن يشهدوا أن لا اله إلا الله، وأن محمد ﷺ رسول الله، فإن هم أطاعوا لک بذلک فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في کل يوم و ليلة، فإن هم أطاعوا لک بذلک فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وتردّ علی فقرائهم فانهم أطاعوا لک بذلک فايّاک وکرائم أموالهم، واتّق دعوة المظلوم فانه ليس بينه و بين الله حجاب۔ ۱۷؎**

''تم ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جس کی اکثریت اہل کتاب ہے۔ تم انہیں پہلی فرصت میں اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کے اقرار کی طرف بلانا۔ اگر وہ تمھاری بات مان لیں تو انہیں تعلیم دینا کہ اللہ نے دن اور رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ تمھاری یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے وصول کی جاتی ہے اور ان کے غریبوں پر تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اگر وہ اس امر کو بھی تسلیم کر لیں تو خیال رکھنا کہ زکوٰۃ کی مد میں ان کے عمدہ مال کو وصول کرنے سے گریز کرنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیوں کہ اس کی بد دعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔''

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو دعوت و تبلیغ کی اہمیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فو اللہ لأن یھدی اللہ بک رجلاً واحداً خیر لک من ان یکون لک حمر النعم ۱۸؎

''اللہ کی قسم، اگر اللہ تمھاری وجہ سے ایک آدمی کو ہدایت نصیب کر دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی ہے۔''

ان قیمتی ہدایات اور دعوتی اصولوں کی روشنی میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے یمن کے علاقے جند میں اپنے دعوتی کام کا آغاز کیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت مختصر عرصے میں ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ جند کے ساتھ ساتھ اردگرد کے علاقوں میں بھی اسلام کی صدا گونجنے لگی۔

حضرت معاذ بن جبلؓ یمن میں ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو وہاں دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا، مگر وہ اپنی سختی اور مجاہدانہ مزاج کی بدولت وہ کام

یابی حاصل نہ کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد حضرت علیؓ کو یمن بھیجا۔ علامہ ابن اثیرؒ حضرت علیؓ کو یمن میں اہل ہمدان کی طرف بھیجے جانے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

بعث رسول اللہ ﷺ علیاً الی الیمن، وقد کان أرسل قبلہ خالد بن الولید الیھم یدعوھم الی الاسلام فلم یجیبوہ، فأرسل علیا و أمرہ أن یعقل خالداً ومن ساء من أصحابہ ففعل۔ ۱۹؎

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا۔ اس سے قبل آپؐ خالد بن ولیدؓ کو وہاں دعوت وتبلیغ کے لئے بھیج چکے تھے، لیکن ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی کہ وہ حضرت خالدؓ اوران کے اصحاب کی وجہ سے اہل یمن کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی اور نقصان کا تاوان ادا کریں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔“

حضرت علیؓ اس وقت کم عمر تھے۔ انھوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! آپ مجھے ان لوگوں کے پاس بھیج رہے ہیں، جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور مجھے اچھی طرح فیصلہ کا ملکہ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک ان کے سینے پر رکھا اور یہ دعا کی: **اللھم ثبت لسانہ و اھد قلبہ** (اے اللہ! اس کی زبان کو حق پر ثابت رکھ اور اس کے دل کو ہدایت دے) پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”یا علی اذا جلس الیک الخصمان فلا تقض بینھما حتی تسمع من الآخر ما سمعت من الاول فانک اذا فعلت ذلک تبین لک القضائ“۔ ۲۰؎

(اے علی! جب تمھارے پاس جھگڑنے والے دونوں فریق آجائیں تو جب تک دونوں سے برابر برابر پوری بات نہ سن لو، فیصلہ نہ کرو۔ اگر تم

ایسا کروگے تو صحیح فیصلہ کروگے۔)

حضرت علیؓ جب یمن روانہ ہوئے تو حضرت براء بن عازبؓ بھی ان کے ہم سفر تھے۔ وہ اس واقعہ کی پوری روداد یوں بیان کرتے ہیں:

"جب ہم یمن میں داخل ہوئے اور لوگوں کو ہماری آمد کی اطلاع ہوئی تو سب حضرت علیؓ سے ملاقات کے لیے اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے فجر کی نماز پڑھائی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو صف بندی کر کے بیٹھ گئے، پھر وہ ہمارے سامنے آئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا، چنانچہ ہمدان کا پورا قبیلہ اسی دن مسلمان ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھ کر اس کی خبر دی۔ آپؐ نے جب ان کا خط پڑھا تو فوراً سجدہ میں گر گئے اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے فرمایا: "**السلام علیٰ همدان، السلام علیٰ همدان**"۔ (ہمدان والوں پر سلامتی نازل ہو، ہمدان والوں پر سلامتی نازل ہو۔) ۲۱ے

رسول اللہ ﷺ نے ان داعیانِ اسلام کے علاوہ حضرت عمرو بن حزمؓ، حضرت مہاجر بن ابی امیہؓ، حضرت زیاد بن لبیدؓ، حضرت طاہر بن ابی ہالہؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عکاشہ بن ثورؓ کو یمن کی طرف اشاعتِ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ ان حضرات کی بدولت اہل یمن کو اللہ تعالیٰ نے حق کی دولت نصیب کی۔ ان مبلغینِ اسلام نے اسلام پھیلاتے وقت رسول اللہ ﷺ سے مسلسل رابطہ رکھا اور آپؐ کے بتائے گئے دعوتی اصولوں کو ملحوظ رکھا۔

۴۔ رسول اکرم ﷺ کے دعوتی مکاتیب

یمن میں آمدِ اسلام کا چوتھا سبب رسول اللہ ﷺ کے وہ دعوتی مکاتیب ہیں جو آپؐ نے اہل یمن کو لکھے تھے۔ ان مکتوبات میں آپؐ نے یمنی معاشرے کی تقسیم اس انداز میں کی تھی:

۱– ایرانی گورنر اور ان کے ذیلی حکام، جن کو 'ابنائ' کہا جاتا تھا۔

۲– سردارانِ قبائل، جن کا اپنے علاقوں میں اقتدار اور اثر و رسوخ تھا۔

۳– عیسائی پادری اور راہب، جو عیسائیت کے پھیل جانے کے سبب خاص امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔

۴– مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے 'ازوائ' اور 'اقیال' جو اپنے قبیلوں اور علاقوں میں اثر و نفوذ رکھتے تھے۔

درج بالا عناصر کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اہل یمن کو دعوتی مکاتیب ارسال کیے۔ ان کی بدولت ان کی اکثریت مشرّف بہ اسلام ہوئی۔

۵۔ بارگاہِ نبوی ﷺ میں یمنی وفود کی آمد

یمن میں اشاعتِ اسلام کا ایک اور اہم سبب وہاں کے وفود کی بارگاہِ نبوی میں حاضری ہے۔ عہد رسالت میں یمن کے کونے کونے سے مختلف قبائل کے وفود آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ اسلام قبول کرنے کے لیے، کچھ دعوتِ اسلام قبول کرنے کے بعد احکامِ دین سیکھنے اور آپؐ کی زیارت و بیعت سے مشرف ہونے کے لیے اور کچھ صلح و امن کے معاہدے کرنے کے لیے۔ ان میں سے کچھ وفود ہجرتِ مدینہ سے پہلے مکہ مکرمہ آ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ہجرت کے بعد ان کی آمد کا سلسلہ ۵ھ میں شروع ہوا جو آپؐ کی وفات سے چار ماہ یا (دوسری روایت کے مطابق) چالیس دن قبل تک جاری رہا۔ ۹ھ میں تو اس کثرت سے وفود آئے کہ اس سال کا نام ہی 'عام الوفود' پڑ گیا۔ بارگاہ نبوی ﷺ میں سب سے زیادہ وفود سرزمینِ عرب کے اسی خطے سے حاضر ہوئے اور یہی وفود یمن میں اشاعت اسلام کا ایک اہم ذریعہ بنے۔ ۲۲؎

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی عہد کی ابتدا میں یمنی قبیلہ دوس کے سردار حضرت طفیل بن عمرو مکہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے مل کر مشرّف بہ اسلام

ہو گئے۔انھوں نے حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام پر قریشِ مکہ کے ظلم وستم کو دیکھا تو آپؐ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ ! آپؐ ہجرت کر کے میرے ساتھ یمن چلیں۔ہم آپؐ کا بھرپور دفاع کریں گے۔'' ۲۳؎ یہی پیش کش بنو ہمدان کے ایک اور جاں نثار صحابی حضرت قیس بن مالکؓ نے بھی کی۔مگر آپؐ نے ان دونوں کی محبت بھری دعوت کو بعض وجوہ سے قبول نہیں فرمایا۔

حواشی ومراجع

۱؎ الافغانی، محمد سعید، اسواق العرب فی الجاھلیۃ والاسلام، مکتبۃ الھاشمیہ، دمشق، ۱۳۵۶ھ، ص: ۱۵۔۱۶

۲؎ ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مکتبۃ القدسی، قاہرہ، ۱۳۵۶ھ، ج:۱،ص: ۱۱۰

۳؎ ابن الاثیر کے مطابق قیس بن مکشوح مرادی قبیلۂ مراد سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے،لیکن یہ بات طے ہے کہ اسود عنسی (جس نے آں حضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) کے قتل میں انھوں نے بھی مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ان کے پہلو میں کسی موقع پر چوٹ لگ گئی تھی،جس کی وجہ سے 'مشکوح' کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی تمییز الصحابہ، دارصادر،، بیروت، ۱۹۶۸ئ، ج:۶،ص: ۲۵۲

۴؎ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دارالمعارف، قاہرہ، ۱۹۷۸ئ، ج: ۲،ص :۳۱۱

۵؎ مسند احمد بن حنبل، المکتب الاسلامی، بیروت، ج:۳،ص: ۴۹۳

۶؎ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارصادر،، بیروت، ج:۱،ص:۲۱۶

۷؎ اس وقت تک ابوسفیان اسلام نہیں لائے تھے اور حالتِ کفر پر قائم تھے۔اسی لیے حضور ﷺ کی نبوت کے متعلق کوئی بات کرنے سے گریز کر رہے تھے۔

۸۔ ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر الدمشقی، البدایۃ والنھایۃ، دارالمعارف، قاہرہ، ۱۴۱۷ھ، ج: ۲، ص: ۳۴۵

۹۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، دارالکتاب، قاہرۃ، ۱۹۶۳ئ، ص: ۴۲۔ ۴۱

۱۰۔ ابن اسحاق، محمد بن اسحاق الحمیری، کتاب المبتدأ والمبعث والمغازی، دارالمعارف، رباط، ۱۹۶۷ئ، ص: ۲۱۵

۱۱۔ ابن الاثیر، عزالدین ابو الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دارالسعادۃ، القاہرۃ، ۱۳۵۷ئ، ج: ۱، ص: ۳۸۱

۱۲۔ ابن سید الناس، عیون الاثر، ج: ۳، ص: ۱۴۰

۱۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج: ۳، ص: ۱۴۰

۱۴۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک، حدیث: ۳۵۵

۱۵۔ طبقات ابن سعد، ج: ۴، ص: ۱۷۸

۱۶۔ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، دارالہلال، قاہرہ، ۱۳۴۸ھ، ص: ۸۳

۱۷۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیائ۔۔۔ حدیث: ۱۴۹۶

۱۸۔ مسند احمد، ج: ۵، ص: ۲۴۵

۱۹۔ ابن الاثیر، عزالدین ابو الحسن علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دارالہلال، قاہرہ، ۱۹۷۸ئ، ج: ۴، ص: ۳۵۷

۲۰۔ حوالہ سابق، ص: ۴۲۱

۲۱۔ الطبقات الکبری، ج: ۱، ص: ۳۴۰

۲۲۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویہ، صفحہ ۳۹۷

۲۳۔ حاکم، محمد بن ابوعبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، احیاء التراث الاسلامی، قاہرہ، ۱۹۸۰ئ، ج: ۴، ص: ۱۸۱

☆☆☆

سیر وسوانح

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حاشیۂ صحیح بخاری

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی

مختصر حالاتِ زندگی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں ضلع سہارن پور کے قصبہ دیوبند کے مغرب میں ایک چھوٹی سی بستی نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، اس کے بعد انھیں صغرسنی ہی میں سہارن پور بھیج دیا گیا، جہاں انھوں نے شیخ نہال احمد نانوتوی اور مولوی نواز سہارن پوری سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء میں تکمیلِ تعلیم کے لیے دہلی گئے، جہاں تمام مروجہ درسی کتابیں حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی، مدرس مدرسۂ دہلی سے پڑھیں۔ مولانا مملوک علی اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ انیسویں صدی کے اکثر وبیش تر مشاہیرِ اہل علم، مثلاً حاجی امداد اللہ، مولوی ذکاء اللہ، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا محمد مظہر (بانی مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور)، انہی کے فیض یافتہ ہیں۔

مولانا نانوتویؒ نے (۱۲۶۰—۱۲۶۷ھ) سات سال تک اپنے شفیق استاد (مولانا مملوک علی) کی خدمت میں رہ کر درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ایک مدت تک محدثِ کبیر حضرت شاہ عبدالغنی (تلمیذ رشید حضرت مولانا شاہ محمد اسحق دہلوی) کی خدمت میں رہے اور ان سے سند حدیث حاصل کی۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حاجی امداد اللہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ شیخ محمد اکرام (مصنف موج کوثر) مولانا محمد قاسم کے متعلق سرسید کا وہ مضمون جو انھوں (سرسید) نے مولانا کی وفات پر تہذیب

الاخلاق میں لکھا تھا، نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زمانۂ تحصیلِ علم میں جیسے کہ وہ (مولانا محمد قاسم نانوتوی) ذہانت اور عالی دماغی اور فہم و فراست میں مصروف ومشہور تھے، ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل و کمال تھے۔ ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی صحبت نے اتباعِ سنت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا اور حاجی امداد اللہؒ کے فیضِ صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت عالی رتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی پابندِ سنت و شریعت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے، بایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا ان کو خیال تھا۔ ان ہی کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسۂ دیو بند قائم ہوا۔۔۔۔علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی و کوشش سے مسلمانی مدرسے قائم کیے گئے۔ وہ کچھ خواہش پیر و مرشد بننے کی نہیں کرتے تھے، لیکن ہندوستان میں خصوصاً اضلاعِ شمال و مغرب میں ہزارہا آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا و مقتدا جانتے تھے۔'' [۱]

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد مولانا قاسم نانوتویؒ نے مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے مطبع احمدی دہلی میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ مولانا احمد علی اپنے زمانہ کے مشہور محدث تھے۔ ان کی وسعتِ علم و مطالعہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود ہی کتابوں کے حواشی لکھتے تھے اور خود ہی اسے شائع کرتے تھے۔ جامع ترمذی اور مشکوٰۃ المصابیح کے جو حواشی رائج ہیں انھی کے لکھے ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری کا حاشیہ بھی انھی کا لکھا ہوا ہے۔ ۲۵/ پاروں تک تو انھوں نے خود ہی لکھا اور بقیہ پانچ پاروں کے حواشی لکھنے کا کام مولانا قاسم نانوتوی کے سپرد کیا۔

مولانا نانوتوی کی تعلیم سے فراغت اور حاجی امداد اللہ سے وابستگی کا زمانہ ۱۹/ویں صدی کا وسط ہے، جب انگریز ہندوستان پر اپنے پنجے پورے طور پر گاڑ چکے

تھے۔ اس وقت سارا ہندوستان حریتِ وطن کے جذبے سے سرشار تھا۔ علماء وصلحاء بھی پیش پیش تھے۔ مولانا نانوتوی نے نہ صرف انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لیا، بلکہ قائدانہ رول ادا کیا۔ ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں باقاعدہ ایک عبوری اسلامی حکومت قائم کی گئی۲؎ جس کے امیر وسربراہ پیر و مرشد حاجی امداد اللہ کو بنا کر ان سے بیعت کی گئی اور مولانا قاسم نانوتوی کو اسلامی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ ۳؎ شاملی کے میدان میں انگریزوں سے شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ اسی دوران سقوطِ دہلی کی اطلاع ملی۔ مجبوراً ان مجاہدین کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ جہادِ شاملی کی وجہ سے تھانہ بھون انگریزوں کے عتاب کا نشانہ بنا، ساتھ ہی وہ علماء بھی معتوب ہوئے جو اس جہاد میں شریک تھے۔ حاجی امداد اللہ انگریزی پولیس سے بچتے بچاتے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ مولانا نانوتوی کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ تین دن تک رُو پوش رہے، اس کے بعد پولیس کی گرفت سے بچنے کی غرض سے ایک مقام سے دوسرے مقام پر چھپتے چھپاتے رہے۔ اس طرح تقریباً دوسال گزارے۔ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں انھوں نے یعقوب بن مملوک علی صاحب کے ساتھ حج بیت اللہ کا قصد کیا۔ اس سفر میں انھوں نے حفظ قرآن کیا۔ ۴؎ وہاں سے آنے کے بعد بہ سلسلۂ ملازمت ممتاز علی خاں کے مطبع مجتبائیہ میرٹھ میں مقیم ہوئے۔ اسی دوران ۱۳/ مئی ۱۸۶۶ء کو قصبۂ دیوبند میں حاجی عابد حسین نے مسجد چھتہ میں ایک مدرسہ قائم کیا۵؎ جس کے متعلق حاجی عابد حسین اور مولانا قاسم نانوتوی کے درمیان اکثر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔ حاجی صاحب نے مولانا سے درخواست کی کہ دیوبند آ کر تعلیم کا آغاز فرمائیں، انھوں نے مصلحتاً خود نہ جا کر مولوی محمود حسن کو بہ حیثیت مدرس تقرر کر کے دیوبند بھیج دیا۶؎ (جو بعد میں اس مدرسہ کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین بنے اور شیخ الہند کہلائے)۔ اس کے بعد مولانا نانوتوی خود دیوبند تشریف لے گئے اور اس مدرسہ کی سرپرستی فرمائی، یہاں تک کہ وہ ہندوستان کا ایک بڑا مدرسہ بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد عیسائیت اور آریہ سماج کے فتنوں کی سرکوبی مولانا نانوتوی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد انگریزوں

نے ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے عیسائی پادریوں کی ایک بڑی فوج اتار دی۔ یہ لوگ بہت کم عرصے میں ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ ان حالات میں سب سے اہم تقاضا عیسائیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا تھا، چنانچہ مولانا قاسم نانوتوی اوران کے رفقاء نے پادریوں کے حملوں کا دفاع کیا اور اسلام کے تحفظ کا اہم ترین فریضہ انجام دیا۔ مختلف مقامات پر عیسائی مبلغین اور پادریوں سے ان کے مناظرے ہوئے۔ ۱۸۷۵ء میں پادری تاراچند سے مباحثہ ہوا۔ اس کے بعد ۱۸۷۶ء میں قصبہ چاند پور، ضلع شاہجہاں پور میں 'میلۂ خدا شناسی' منعقد ہوا، جس میں تمام مذاہب کے علماء اورعوام موجود تھے۔ ان کے سامنے مولانا نے حقانیتِ اسلام، ابطالِ تثلیث، تردیدِ شرک اور اثباتِ توحید پر محققانہ تقریر فرمائی۔ اسی طرح انھوں نے آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی اور اس کے ہم خیال پنڈتوں سے بھی مناظرہ کیا۔ اس میں پنڈت سرسوتی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس نے راہ فرار اختیار کی۔ صاحب 'نزہۃ الخواطر' اپنے نپے تلے انداز میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وله مشاهد عظيمة في المباحثة بالنصارىٰ والآرية، وأشهرها المباحثة التي وقعت ببلدة شاهجهان فور سنة ثلاث و تسعين وأربع وتسعين، فناظر أحبار النصارىٰ والعماء الهنادك غير مرة فغلبهم وأقام الحجة وظهر فضله في المناظرة"۔ ۷؎

"عیسائیوں اور آریہ سماج سے بحث و مباحثہ کے سلسلے میں ان سے زبردست معرکے منسوب ہیں۔ ان میں سب سے مشہور وہ معرکہ ہے جو شاہ جہاں پور میں ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۴ء میں پیش آیا تھا۔ انھوں نے عیسائی پادریوں اور ہندو اصحاب علم سے بارہا مناظرے کیے، جن میں انھیں فتح حاصل ہوئی۔ انھوں نے ان مناظروں میں اسلام کی حقانیت ثابت کی اوران کی برتری کا اظہار رہوا۔"

مولانا قاسم نانوتوی نے بہت مختصر زندگی پائی۔ ۱۵/ اپریل ۱۸۸۰ء میں انھوں نے ضیق النفس کی بیماری میں وفات پائی۔ ۸؎ قبرستانِ قاسمی، دیوبند میں مدفون ہوئے۔ ۹؎ دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۶ء میں قائم ہوا تھا۔ اس وقت ان کی عمر چونتیس (۳۴) برس تھی۔ جب انتقال ہوا تو ۴۸ یا ۴۹ برس کے تھے۔

علمی سرمایہ

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت اور فرقِ باطلہ کی تردید میں مختلف موضوعات پر قیمتی کتابیں اور رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں اکثر و بیش تر شائع ہو چکی ہیں، مثلاً حجۃ الاسلام، انتصار الاسلام، تحفۂ لحمیہ، جواب ترکی بہ ترکی یا براہین قاسمیہ، قبلہ نما، تقریر دل پذیر، آب حیات، ہدیۃ الشیعہ اور توثیق الکلام وغیرہ۔

مذکورہ بالا کتب و رسائل کے علاوہ مولانا نانوتوی کی دوسری تحریروں کا تعلق 'مکتوبات' سے ہے، جن میں ان سے بعض مسائل دریافت کیے گئے اور انھوں نے ان کا جواب دیا۔ یہ مکتوبات مستقل چھوٹے بڑے مضامین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر دہلی کے ایک بزرگ مولانا جمال الدین علوی نے ان سے وحدۃ الوجود اور سماع موتیٰ کے بارے میں استفسار کیا۔ مولانا نے اس کا تقریباً ۱۵/ صفحات پر مشتمل تفصیلی جواب لکھا۔ بعد میں یہ رسالہ عام لوگوں کے فائدے کے لیے ۱۲۹۵ھ میں سہارن پور سے شائع ہوا اور اس کا نام 'جمالِ قاسمی' رکھا گیا۔

'جمالِ قاسمی' کی طرح کم از کم آٹھ دیگر مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے نام مکتوبات قاسمیہ، فیوض قاسمیہ، لطائف قاسمیہ، الحق الصریح فی بیان التراویح، تحذیر الناس، اسرار قرآنی اور فرائد قاسمیہ ہیں۔ ان میں زیارت قبور، نذر غیر اللہ، مسئلہ علم غیب، سنت و بدعت، شیعوں کا اسلام، اہل بیت پر رونا، شفاعت اہل بیت، فدک کا مسئلہ، یزید کا کفر و ایمان، نفس کی حقیقت، تعداد رکعات تراویح، قراءت فاتحہ خلف الامام، تصفیۃ القصائد اور ان جیسے دیگر موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

مولانا کی مستقل تصانیف کا موضوع ردعیسائیت و ہندو مذہب اور ان کے مقابلے میں اسلام کی حقانیت ہے۔اس کے تحت وجود باری تعالیٰ،توحید، صفات الٰہی، عقیدۂ تثلیث و آواگون واوتار کا رد، انبیاء کی ضرورت، خاتم النبیین کی بعثت کے بعد دوسری تمام شریعتوں کی منسوخی، معراج، معجزات نبوی، بیت اللہ بہ حیثیت قبلہ، حدوث عالم (قیامت)، ثبوتِ برزخ وجنت وجہنم، ملائکہ اور شیاطین کا وجود، روح کی حقیقت، تقدیر، جانوروں کی حلّت وحرمت، مردے کو دفن کرنے کے فوائد اور جلانے کے نقصانات جیسے عنوانات پر مدلل بحث کی گئی ہے اور ان موضوعات کو عقلی ومنطقی انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔

حاشیۂ صحیح بخاری

ان خدمات جلیلہ کے سوا مولانا قاسم نانوتوی کا اہم کام حواشی صحیح بخاری ہیں، جو انھوں نے آخر کے پانچ پاروں پر رقم فرمائے تھے۔[۱۰] اہل علم جانتے ہیں کہ صحیح بخاری کا آخری حصہ ایک اعتبار سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس حصہ میں امام بخاریؒ نے قال بعض الناس کہہ کر امام ابوحنیفہؒ کی بعض فقہی آراء پر حدیث کی روشنی میں تنقید کی ہے، جس کا انداز کہیں کہیں سخت ہو گیا ہے۔اس حصہ پر کسی حنفی المسلک فرد کا حاشیہ لکھنا آسان کام نہیں، بالخصوص نوعمری میں بدون عبقریت کے ممکن نہیں، لیکن مولانا نانوتوی نے اس فریضہ کو بہ حسن و خوبی انجام دیا ہے۔مولانا عبدالحئی حسنی صاحبِ نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

”فبذل جهده فی تصحیح الکتاب وتحشیته وبالغ فی تائید المذهب حتی استوفی حقه“[۱۱]

”انھوں نے بڑی محنت سے صحیح بخاری کی تصحیح وتحشیہ کا کام انجام دیا اور حنفی مسلک کی تائید میں غایت درجہ سعی کی، یہاں تک کہ اس کا حق ادا کردیا“۔

ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ صحیح بخاری، (جزء ۲۷) کتاب الحیل، باب فی الزکوٰۃ وان لا یفرّق بین مجتمع ولا یجمع بین متفرق خشیة الصدقة میں امام بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے:

"حدثنا قتیبة قال حدثنا اسمٰعیل ... ان اعرابیا جاء الیٰ رسول الله ﷺ ..." رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک پراگندہ بال اعرابی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ کو بتلائیے کہ اللہ نے کون سی نمازیں مجھ پر فرض کی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: پانچ نمازیں۔ ان کے سوا جو تو پڑھے وہ نفل ہوگی۔ پھر اس نے کہا: بتلائیے، اللہ تعالیٰ نے کون سے روزے مجھ پر فرض کیے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: رمضان کے روزے۔ ان کے سوا جو تو روزہ رکھے وہ نفل ہوں گے۔ کہنے لگا: بتلائیے کہ زکوٰۃ اللہ نے مجھ پر کون سی فرض کی ہے؟ راوی (طلحہ) کہتے ہیں: آپؐ نے اس کو شرائع اسلام (زکوٰۃ اور دوسرے مسایلِ شریعت) بتلائے۔ پھر وہ کہنے لگا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو عزت دی، جو کچھ اللہ نے فرض کیا ہے، میں اس میں نہ کچھ بڑھاؤں گا نہ گھٹاؤں گا۔ یہ سن کر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہو گیا یا (فرمایا) بہشت میں داخل ہوگا۔

روایت نقل کرنے کے بعد امام بخاریؒ اس پر یہ تبصرہ کرتے ہیں:

"قال بعض الناس: فی عشرین ومائة بعیر حقتان، فان أهلكها متعمداً او وهبها او احتال فيها فراراً من الزكوٰة فلا شیٔ علیه"۔

(بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک سو بیس اونٹوں میں دو حقے (تین تین برس کی دو اونٹنیاں، جو چوتھے برس میں لگ چکی ہوں) زکوٰۃ کے لازم آتے ہیں، پھر اگر کسی نے ان اونٹوں کو عمداً تلف (مثلاً ذبح) کر دیا یا ہبہ کر دیا یا زکوٰۃ سے فرار حاصل کرنے کی غرض سے کوئی حیلہ کیا تو اس پر سے زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔)

اس تبصرہ پر مولانا قاسم نانوتوی لکھتے ہیں:

"وقال بعض الناس الخ قیل أراد ببعض أبا حنیفة و التشنیع علیه، لأن

مذهب البخاری ان کل حيلة يتحيّل بها أحد فی إسقاط الزكوٰة فاثم ذلک عليه، وابو حنيفة يقول اذا نوی بتفوية الفرار من الزكوٰة قبل الحول بيوم لم تضره النية، لان ذلک لا تلزمه الا بتمام الحول ولا يتوجه اليه معنی قوله ﷺ 'خشية الصدقة' الا حينئذ، وقد قام الاجماع علی جواز التصرف قبل حول الحول كيف شاء وهو قول الشافعی ايضاً، فكيف يريد بقوله بعض الناس أبا حنيفة علی الخصوص، وقيل أراد به أبا يوسف علیہ الرحمہ فانه قال: فی عشرين ومائة بعير الخ وقال لاشیٔ عليه، لانه امتناع عن الوجوب لا إسقاط الواجب۔ وقال محمد يكره لما فيه من القصد الی ابطال حق الفقير بعد وجوب سببه وهو النصاب''۔

(کہا گیا ہے کہ بعض الناس سے مراد امام ابوحنیفہ ہیں اور یہ تشنیع بھی انہی پر ہے، اس لیے کہ امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ حیلہ جو زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے اختیار کیا جائے، اس کا گناہ حیلہ کرنے والے پر ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی نے سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے زکوٰۃ سے فرار حاصل کرنے کے ارادے سے کوئی حیلہ اختیار کیا تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے واجب نہیں ہوتی اور نہ فرمان نبوی 'خشية الصدقة' کا اطلاق اس پر ہوگا، مگر اس وقت جب سال پورا ہوجائے۔ کیوں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ سال پورا ہونے سے قبل مال میں ہر طرح کا تصرف جائز ہے۔ یہی قول امام شافعی کا بھی ہے، تو کیسے 'بعض الناس' سے امام ابوحنیفہ علی الخصوص مراد ہوں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'بعض الناس' سے مراد امام ابویوسف ہیں، جنھوں نے کہا ہے کہ ایسا کرنا مانعِ وجوب زکوٰۃ تو ہے، لیکن اسقاطِ واجب (زکوٰۃ) نہیں۔ اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ ایسا (حیلہ) کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں ابطالِ حق الفقراء کا قصد کیا گیا ہے، بعد وجوب سبب یعنی نصاب کے۔)

اسی باب میں ایک دوسری حدیث نقل کرنے کے بعد امام بخاری نے یہ تبصرہ کیا ہے: ''قال بعض الناس: فی رجل له إبل فخاف ان تجب عليه الصدقة فباعها

بابل مثلها او بغنم او ببقر او بدراهم فراراً من الصدقة بيوم واحتيالاً فلاشئ عليه وهو يقول ان زكیٰ ابله قبل ان يحول الحول بيوم او بسنة جازت عنه"۔ (بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا آدمی جس کے پاس کچھ اونٹ ہوں، اس نے زکوٰۃ دینے کے خوف سے یا اس سے فرار حاصل کرنے کی غرض سے ان اونٹوں کو دوسرے اونٹوں کے بدلے یا بکری، گائے یا درہم کے عوض ایک دن پہلے بیچ دیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ دوسری طرف وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس نے ان اونٹوں کی زکوٰۃ ایک دن یا ایک سال پہلے دے دی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔)

مولانا نانوتوی لکھتے ہیں: قال بعض الشراح أراد البخاری ببعض الناس أبا حنيفة يريد به التشنيع عليه باثبات التناقض فی ما قاله ببيان ما يريده من التناقض وهو انه نقل أولاً ما قاله ابو حنيفة فی رجل له ابل۔۔۔ الخ ثم قال وهو يقول ای والحال ان بعض الناس المذكور يقول ان زكّٰی ابله ۔۔ الخ يعنی جاز عنده التزكية قبل الحول بيوم فكيف يسقطه فی ذلک اليوم وقال صاحب التلويح بالزام البخاری أبا حنيفة من التناقض فليس بتناقض لا يوجب الزكوٰة الا بتمام الحول ويجعل من قدّمها كمن قدّم دَيناً مؤجلاً۔

(بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس جگہ تناقض ثابت کرنے کی غرض سے امام بخاری نے 'بعض الناس' سے امام ابوحنیفہ کو مراد لیا ہے اور ان پر تشنیع کا قصد کیا ہے، یعنی ایک طرف وہ (امام ابوحنیفہ) یہ کہتے ہیں کہ سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے حیلہ کرکے زکوٰۃ سے بچا جاسکتا ہے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ سال پورا ہونے سے ایک دن یا ایک سال پہلے زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ ادا ہوجاتی ہے تو ایک دن قبل حیلہ کرنے سے زکوٰۃ کیسے ساقط ہوجائے گی۔ صاحب التلویح نے فرمایا ہے: امام بخاری نے امام ابوحنیفہؒ پر جس تناقض کا الزام لگایا ہے وہ درحقیقت تناقض ہے ہی نہیں۔ اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے واجب نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی قبل از وقت دینا چاہیے تو ایسا کرنا درست ہے، جیسے کہ اگر کسی شخص پر قرض ہو اور وہ

اسے وقت سے پہلے ادا کردے تو ایسا کرنا جائز ہے۔)

اسی باب کی تیسری حدیث کے بعد امام بخاری نے لکھا ہے: ''قال بعض الناس اذا بلغت الإبل عشرین ففیها أربع شیاہ، فان وھبها قبل الحول او باعها فراراً او احتیالا لاسقاط الزکوٰۃ فلا شئ علیه و کذلک إن أتلفها فماتت فلا شئ فی ماله'' (بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس بیس اونٹ ہوں تو اس پر چار بکریاں زکوٰۃ کی واجب ہیں۔ اگر اس نے زکوٰۃ سے فرار حاصل کرنے کے لیے حیلہ کے طور پر سال پورا ہونے سے قبل انھیں ہبہ کردیا یا بیچ دیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں۔ اسی طرح اگر اس نے ان کو تلف کردیا یا وہ مرگئیں تب بھی اس پر کچھ نہیں۔)

اس پر مولانا نانوتوی لکھتے ہیں: ''أراد ببعض الناس أباحنیفة والحنفیة کما ذکرنا، والکلام فیه مثل الکلام فی الفرعین المتقدمین وھو ان الحنفیة انما قالوا لا شئ علیه فی ھذه الثلٰثة، لانه اذا أزال عن ملکه قبل الحول فمن أین یکون علیه شئ، فلا یرد علیهم ما زعمه البخاری، فحینئذ لا فائدة فی تکرار ھذه الفروع وذکرھا متفرقة، فان قلت قال الکرمانی انما ذکرھا لارادة زیادة التشنیع ولبیان مخالفتهم لثلاثة أحادیث، قلت: التشنیع علی المجتهدین الکبار لایجوز، ولیس فیما ذھبوا الیه مخالفة أحادیث الباب کما تری، وھی بمعزل عما ذھبوا الیه، ومن له إدراک دقیق یقف علی ھذا ویظهر له الحق والباطل والصواب من الخطأ''۔

(یہاں 'بعض الناس' سے مراد ابوحنیفہ ہیں اور اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کا مسلک وہی ہے جسے ہم نے اوپر کی دو فروع میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ ایسے شخص پر کچھ بھی (زکوٰۃ) واجب نہیں۔ اس لیے کہ جب سال پورا ہونے سے پہلے وہ مالک (نصاب) نہیں تو سال پورا ہونے پر اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہوجائے گی۔ ایسی صورت میں حنفیہ پر کچھ بھی الزام نہیں۔ یہ محض امام بخاری کا زعم ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں اس کی فروع کا بار

بارذ کر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ پس اگر تم یہ کہو کہ امام کرمانی نے یہ کہا کہ امام بخاری نے اس مسئلہ کو امام ابوحنیفہ پر زیادتی تشنیع اور تین حدیثوں کی مخالفت ثابت کرنے کے لیے بار بار اور الگ الگ انواع میں بیان کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ کبار مجتہدین پر اس طرح کی تشنیع درست نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے مسلک سے تین حدیثوں کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ جس شخص کو اس فن میں ادراک اور گہرا علم حاصل ہے اس پر حق و باطل اورصواب وخطاہر چیز ظاہر ہو جائے گی۔)

کتاب الحیل، باب فی النکاح میں امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے: ’’لاتنکح البکر حتی تستأذن ولا الثیب حتی تستامر . . . ‘‘ اس کے بعد لکھتے ہیں: ’’قال بعض الناس: ان لم تستأذن البکر ولم تزوّج فاحتال رجل فأقام شاهدی زور أنّه تزوّجها برضاها فأثبت القاضی نکاحها والزوج یعلم ان الشهادة باطل فلا بأس ان یطأها وهو تزویج صحیح‘‘۔ (بعض لوگوں نے کہا کہ اگر باکرہ نے اجازت نہیں دی اور زوجیت نہیں قبول کی، مگر ایک آدمی نے حیلہ کیا اور دو جھوٹے گواہ قائم کردیے اور ثابت کردیا کہ عورت نے اپنی مرضی سے اس سے نکاح کیا ہے۔ پس قاضی نے اس نکاح کو درست قرار دیا، حالاں کہ شوہر جانتا ہے کہ گواہی جھوٹی ہے، اس کے باوجود مرد کے لیے عورت سے وطی کرنا جائز ہوگا اور یہ نکاح صحیح مانا جائے گا۔)

اس پر مولانا نانوتوی لکھتے ہیں: ’’فی فیض الباری: هذا تشنیع عظیم، لکن الجواب هو حدیث علی رضی الله عنه وهو ان رجلا ادّعیٰ علی امرأة انها نکحت له نفسها فأنکرت وأقام البینة علی نکاحها فقضٰی علیّ له، فقالت: یا أمیر المومنین! اذا کلّفتنی فزوّجنی فان الشاهدین شاهدا زور فقال علیّ شاهداک زوّجاک، والعجب من البخاری مع رفعة درجته کیف ینکر هذا الحدیث ویطعن علی إمام الائمة سراج الملة أبی حنیفة وأصحابه‘‘۔

(فیض الباری میں ہے کہ امام ابوحنیفہ پر یہ ایک بہت بڑی تشنیع ہے، لیکن اس

کا جواب حدیث علیؓ ہے۔ وہ یہ کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح ہونے کا دعویٰ کیا، لیکن عورت نے اس سے انکار کیا۔ مرد نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دو گواہ پیش کردیے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے مرد کے حق میں فیصلہ کردیا۔ تب اس عورت نے کہا: اے امیرالمومنین! آپ نے جب یہ فیصلہ کرہی دیا ہے تو صحیح طریقے سے میرا نکاح کرادیجیے، اس لیے کہ یہ دونوں گواہ جھوٹے ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: ان دونوں گواہوں نے تجھے اس کی زوجیت میں دے دیا ہے۔ تعجب ہے کہ امام بخاری حدیث میں عظیم مرتبہ رکھنے کے بعد بھی کیسے اس حدیث کا انکار کرتے اور امام الائمہ سراج الملۃ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب پر طعن کرتے ہیں)۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی ہر جگہ حد ادب قائم رکھتے ہوئے امام بخاری کے اعتراضات و تنقیدات کا علمی انداز میں جواب دیتے ہیں، حالاں کہ دیگر مسالک کی طرح مسلکِ امام بخاری کے خلاف بھی بہت سی مثالیں الزامی طور پر جواب میں پیش کی جاسکتی تھیں، لیکن مولانا نانوتوی ایسا طریقہ اختیار کرنا ایک عظیم محدث کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

آئندہ نقل کی جانے والی مثالوں میں صحیح بخاری کے بعض راویوں پر نقد کیا گیا ہے، لیکن عظیم محدث کا ادب یہاں بھی ملحوظ ہے:

۱— امام بخاری نے کتاب الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین میں ایک حدیث اس سند سے ذکر کی ہے: ”**حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا الانصاری قال حدثنا هشام بن حسام قال حدثنا محمد بن سیرین قال حدثنا عبیدة قال حدثنا علی بن ابی طالب ... الخ**۔

اس سند پر نقد کرتے ہوئے مولانا نانوتوی حاشیہ میں لکھتے ہیں: ”**قوله حدثنا الانصاری، یرید محمد بن عبدالله بن المثنی القاضی وهو من شیوخ البخاری ولکنه ربما أخرج عنه بواسطة کالذی ههنا، وقوله هشام بن حسام هذا وان تکلم فیه بعض من قبل حفظه لکن لم یضعفه بذلک أحد مطلقاً بل بقید بعض**

شیوخہ، و اتفقوا علی انہ ثبت فی الشیخ الذی حدّث عنہ بحدیث الباب وھو محمد بن سیرین، قال سعید بن عروبۃ: ما کان أحفظ عن ابن سیرین من ھشام بن حسام"۔

(اس سند میں واقع راوی 'انصاری' سے مراد محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ القاضی ہیں، جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان سے بھی کبھی واسطے کے ذریعہ حدیث نقل کرتے ہیں جیسے اس جگہ۔ اس سند کے دوسرے راوی ہشام بن حسام پر بعض ائمہ نے ان کے سوء حفظ کی وجہ سے کلام کیا ہے، تاہم مطلق طور پر انھیں ضعیف نہیں قرار دیا گیا ہے، بلکہ بتخصیص بعض شیوخ انھیں ضعیف کہا گیا ہے۔ جرح وتعدیل کے تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ اپنے اس شیخ سے، جس سے یہ حدیث روایت کی ہے یعنی محمد بن سیرین، حدیث سن کر نقل کرنے میں اول درجہ کے محفوظ رکھنے والے ہیں۔ سعید بن عروبہ نے فرمایا ہے: ابن سیرین سے حدیثیں نقل کرنے والوں میں ہشام بن حسام سے بڑھ کر کوئی یاد رکھنے والا نہیں۔)

اس سند کے راوی ہشام بن حسام پر مولانا نانوتوی نے یہ جو لکھا ہے کہ 'وہ مطلق ضعیف نہیں' یہ بات ان کے مقام ومرتبہ کو برقرار رکھنے کے لیے کہی ہے، ورنہ مطلق ضعیف راوی کا صحیح بخاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ کہنے کی ضرورت تھی، اس لیے کہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ صحیح بخاری میں کوئی بھی راوی مطلق ضعیف نہیں۔ دوسری طرف انھوں نے جرح وتعدیل کے امام الائمہ شعبہ بن الحجاج اور اس فن کے دیگر قدیم ائمہ مثلاً یحییٰ بن سعید القطان، ابوداؤد سجستانی، امام احمد اور یحییٰ بن معین، جنھوں نے ہشام بن حسام پر جرح کی ہے، ان کا نام نہ لے کر 'تکلّم فیہ بعض' کہہ کر امام بخاری کی لاج رکھ لی ہے۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ ویل للعرب من شرّ قد اقترب میں امام بخاری نے ایک حدیث اس سند سے بیان کی ہے: **"حدثنا مالک بن اسمٰعیل قال حدثنا ابن عیینۃ انہ سمع الزھری عن عروہ عن زینب بنت ام سلمۃ عن ام حبیبۃ عن زینب بنت جحش"۔**

اس سند پر مولانا نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

''قوله منقطع فصوابه كما فى صحيح مسلم زينب عن حبيبة عن ام سلمة عن ام حبيبة عن زينب بزيادة حبيبة''۔

(یعنی یہ سند منقطع ہے (جواز قبیل ضعیف ہے) صحیح سند وہ ہے جو صحیح مسلم میں ہے جس میں زینب کے بعد حبیبہ ایک نام ہے جو صحیح بخاری کی سند میں مذکور نہیں، جس کی وجہ سے یہ سند منقطع ہے)۔

مولانا نانوتوی کے تبصرہ میں آخری دو الفاظ قابل توجہ ہیں ''**بزيادة حبيبة**'' یعنی صحیح مسلم کی سند میں 'حبیبة' نام زیادہ ہے۔ بہ ظاہر اس سے امام بخاری کا ادب و مقام ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۳– قربِ قیامت کی علامتوں میں سے ایک رفع امانت بھی ہے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ان الفاظ میں آیا ہے:

''ينام الرجل النومة فتقبض الامانة من قلبه فيظل أثرها مثل أثر الوكت ثم ينام النومة فتقبض فيبقى أثرها مثل المجل كجمر دحرجته على رجلك فنفط فتراه منتبراً وليس فيه شئ... الخ''۔ (قرب قیامت ایک آدمی رات کو سوئے گا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی، اس کا اثر ایک دھبے کے مانند رہ جائے گا، پھر وہ سوئے گا تو امانت مزید نکال لی جائے گی یہاں تک کہ اس کا اثر (ننگے پیر زیادہ چلنے یا ہاتھ سے کام کے نتیجہ میں متاثرہ جگہوں پر) ابھار یا داغ کے مانند رہ جائے گا۔ جیسے پاؤں پر آبلہ پڑ گیا ہو، تم اگرچہ اس کو ابھرا ہوا دیکھو گے مگر اس میں کچھ نہ ہوگا۔)

اس حدیث میں کئی مشکل الفاظ ہیں جنھیں مولانا نانوتوی نے اپنے حاشیہ میں حل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''(اثر الوكت) الوَكْت بفتح الواو وسكون الكاف وبالمثناة، الأثر اليسير وقيل السواد اليسير وقيل اللون المحدب المخالف للون كان قبله،

و(المَجل) بفتح الميم وسكون الجيم وفتحها هو النفط الذى يحصل فى اليدين من العمل بفأس ونحوه، و(النفط) بكسر الفاء ـــ قال ابن الفارس النفط قرح يخرج فى اليدين من العمل، (ومنتبراً) مفتعلاً من الانتبار وهو الارتفاع ومنه المنبر لارتفاع الخطيب عليه، و(الامانة) المتبادر منها الى الذهن المعنى المشهور منها وهو ضد الخيانة، وقيل المراد فيها هو التكاليف الالٰهية ـــ"۔

(' وَکت' معمولی نشان یا معمولی سیاہی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ابھار ہے جس کا رنگ بدل گیا ہو۔ 'مَجْل' سے مراد وہ ابھار ہے جو کلہاڑی وغیرہ چلانے سے ہاتھ میں پڑ جاتا ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ نِفط سے مراد وہ زخم ہے جو کام کرنے سے ہاتھ میں پڑ جاتا ہے۔ 'منتبر' کا معنیٰ ہے ابھرا ہوا۔ اسی سے لفظ 'منبر' ہے کہ اس پر چڑھ کر خطیب خطبہ دیتا ہے۔ امانت خیانت کی ضد ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ذمے داریاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عائد کی ہیں۔)

اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نانوتوی کی عربی لغت پر بھی گہری اور وسیع نگاہ تھی۔ وہ زبان کے دقائق و لطائف سے بہ خوبی واقف تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کو حدیث پر مستقل اور مربوط کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم صحیح بخاری کے آخری پانچ چھ اجزاء پر جو حواشی انھوں نے قلم بند کیے ہیں وہ ان کے وسیع علم اور گہرے مطالعہ پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جیسے صاحب علم کے کام کو اسی معیار پر پورا کرنا آسان نہیں تھا۔ انھوں نے اس کام کو پورے اعتماد سے ایک نوعمر عالمِ دین کے حوالہ کیا جس نے کماحقہ اس کو پورا کیا۔

حواشی ومراجع

۱۔ موج کوثر، شیخ محمد اکرام، طبع دہلی، ۲۰۰۹ئ، ص ۳۶۷

۲۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، مولانا سید محمد میاں، طبع دہلی، ۱۹۸۵ئ، ۴/ ۷۷

۳۔ سوانح قاسمی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، طبع دیوبند، ۱۳۹۵ھ، ۲/ ۱۲۶–۱۲۷؛ تذکرۃ الرشید، مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی، طبع سہارن پور (سنہ طبع ندارد)، ص ۴۷–۵۷؛ علماء ہند کا شان دار ماضی، ۴/ ۲۷۶

۴۔ نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحیٔ حسنی، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد دکن، ۱۹۵۹ئ، ۷/ ۳۸۳

۵۔ ایضاً، ۷/ ۳۸۴؛ موج کوثر، ص ۲۰۰

۶۔ نزہۃ الخواطر، ۷/ ۳۸۴

۷۔ حوالہ سابق

۸۔ موج کوثر، ص ۲۶۷

۹۔ مولوی رحمان علی (محمد عبدالشکور حکیم شیر علی صدیقی) صاحب تذکرہ علماء ہند، (شائع کردہ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، پاکستان ۱۹۶۱ئ) نے صفحہ ۴۶۵ پر عنوان 'مولوی محمد قاسم نانوتوی' کے تحت لکھا ہے کہ ''آپ (مولانا محمد قاسم) نانوتہ میں دفن ہوئے''، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی کتاب کے مرتب ومترجم محمد ایوب قادری نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نانوتہ میں نہیں، بلکہ دیوبند میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۶۶)

۱۰۔ سوانح قاسمی، ۱/ ۳۵۲؛ نزہۃ الخواطر، ۷/ ۳۸۳؛ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی – حیات، افکار، خدمات، مقالہ نگار مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ومولانا محمد برہان الدین قاسمی سنبھلی، ص ۲۹۴–۳۰۰، مجموعہ مقالات سمینار بہ عنوان ''الامام محمد قاسم النانوتوی''، بہ اہتمام تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند، منعقدہ ۲۰–۲۲، مئی ۲۰۰۰ئ، نئی دہلی۔

۱۱۔ نزہۃ الخواطر، ۷/ ۳۸۳

☆☆☆

ترجمہ و تلخیص

تفسیر المبصر لنور القرآن' — ایک مطالعہ
[ایک خاتون کے قلم سے قرآن مجید کی مکمل تفسیر]

———— ڈاکٹر عفاف عبد الحمید غفور
مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اپنا مخاطب بنایا ہے۔ احکامِ الٰہی کے نفاذ اور دعوت و اصلاح کی وہ بھی مکلف ہیں۔ اسی لیے قرآن کے فہم اور تفسیر میں انھوں نے بھی دل چسپی لی ہے۔ اس معاملے میں امہات المومنین مثالی نمونہ ہیں اور حدیثِ نبوی کی روایت میں لمبے عرصے تک خواتین کا اہتمام اسی کا ایک پرتو ہے۔

لیکن ابتدائی صدیوں کے بعد تفسیر قرآن کے میدان میں خواتین کی سرگرمیاں کم ہوگئیں اور تصنیف و تالیف کے معاملے میں بھی ان کا کردار نمایاں نہیں رہا۔ چنانچہ تعلیم و تعلّم سے ان کی دل چسپی کے باوجود کتبِ تراجم میں کسی خاتون کی تفسیر کا تذکرہ ملتا ہے نہ قدماء نے ان کی علمی خدمات کا کہیں یکجا ذکر کیا ہے۔ کتب طبقات و تراجم میں حدیث، تاریخ، فقہ اور تصوف وغیرہ کے میدانوں میں تو کچھ خواتین کے نام ملتے ہیں، لیکن تفسیر و علوم قرآنی میں کوئی خاتون شاذ و نادر ہی دکھائی دیتی ہے۔

موجودہ دور میں عرب اور مسلم ممالک میں قرآن کریم کی تعلیم سے دل چسپی میں اضافہ ہوا ہے اور روایتی مکاتب و مدارس کے علاوہ سرکاری وغیر سرکاری سطح پر عصری ادارے بھی قائم ہوئے ہیں، اس کے باوجود اس میدان میں خواتین کی خدمات اب بھی بہت محدود ہیں۔ انھوں نے قرآنی موضوعات پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے ہیں، کتابیں تصنیف کی ہیں اور قرآن کی بعض سورتوں کی تفسیریں لکھی ہیں،

لیکن کسی خاتون نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھی ہو، اس کا علم نہیں ہے۔☆

اس صورتِ حال میں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ محترمہ نائلہ ہاشم صبری نے المبصر لنور القرآن کے نام سے قرآن کی مکمل تفسیر لکھی ہے۔ آئندہ سطور میں اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے گا اور اس کے امتیازات و خصائص پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مفسّرہ کا مختصر تعارف

محترمہ نائلہ ہاشم صبری کی پیدائش ۱۹۴۴ء میں قلقیلیہ (فلسطین) میں ہوئی۔ انھوں نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی جو دین داری اور علم میں شہرت رکھتا تھا۔ ان کے والد شیخ ہاشم حسن صبری جامع ازہر کے فارغ التحصیل، علاقہ قلقیلیہ کے سابق مفتی، مسجد عمری کے امام اور مدرسۃ المرابطین اور مدرسۃ السعدیہ میں ۱۹۷۸ء تک دینیات کے استاد رہے اور ان کے شوہر شیخ ڈاکٹر عکرمہ سعید صبری مسجد اقصیٰ کے خطیب اور القدس اور الدیار الفلسطینیۃ کے سابق مفتی تھے۔ سیدہ نائلہ کو ابتدا سے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا، لیکن کم عمری میں شادی ہوجانے کے سبب انھیں یونی ورسٹی کی سطح تک تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ انھوں نے ذاتی طور پر تحصیلِ علم کے لیے خوب محنت کی، ان کے شوہر کی ذاتی لائبریری میں اسلامی علوم کی بہت سی کتابیں تھیں۔ ان سے انھوں نے بھرپور استفادہ کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر کلامِ الٰہی کے فہم و معرفت کے دروازے کھول دیے۔

سیدہ نائلہ نے ابتدائی عمر ہی میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا، انھوں نے مسجد اقصیٰ میں خواتین کے سامنے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اس میں خواتین اور بچوں کی بڑی تعداد شرکت کرتی تھی۔

فہمِ قرآن کے شدید اشتیاق نے انھیں کتب تفسیر کے مطالعہ کی جانب مائل کیا۔ یہ کام انھوں نے مسلسل بیس (۲۰) سال تک انجام دیا۔ وہ پڑھنے لکھنے میں

☆زینب الغزالی کی مکمل تفسیر 'نظرات فی کتاب اللہ' کے نام سے چھپ گئی ہے۔ اس کے علاوہ جدید دور کی متعدد خواتین نے قرآن کی مکمل تفسیر لکھی ہے۔ (مترجم)

روزانہ سات (۷) سے زائد گھنٹے صرف کرتی تھیں۔ انھوں نے اس عرصے میں ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے زائد قدیم و جدید تفاسیر کا مطالعہ کیا۔

سیدہ نائلہ کو متعدد علمی، سماجی اور رفاہی انجمنوں کی رکنیت حاصل ہے۔ مثلاً وہ ۱۹۸۲ء سے **جمعیة نساء الاسلام** قدس کی صدر ہیں۔ اس کے علاوہ **اتحاد الجمعیات الخیریة** فلسطین، **جمعیة الهلال الاحمر** قدس، **اتحاد الجمعیات النسائیة التطوعیة** فلسطین اور **اتحاد الکتاب الفلسطینین** فلسطین کی رکن ہیں۔ انہیں دنیا کے مختلف ممالک میں دروس قرآن اور دینی محاضرات دینے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے مواقع ملے ہیں، مثلاً قدس، اسپین، بحرین، جنوبی افریقہ، اٹلی، کوریا، امریکا، عُمان، برازیل، متحدہ عرب امارات وغیرہ۔ اس کے علاوہ اخبارات و جرائد میں دینی موضوعات پر ان کے بہت سے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

علمی خدمات

سید نائلہ نے مختلف موضوعات پر تحریر و تصنیف کی خدمات انجام دی ہے۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱—**کواکب النسائ**: یہ کتاب دار الرسالة المقدسیة سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں پانچ سو (۵۰۰) سے زائد خواتین کے تذکرے جمع کیے گئے ہیں۔ اس میں قرآن میں مذکور خواتین، امہات المومنین، بنات النبی، صحابیات، بہادر خواتین، محدثات، فقیہات اور جود و سخا، عبادت و زہد، شعر و ادب، حکومت و سیاست اور دیگر میدانوں میں شہرت حاصل کرنے والی خواتین شامل ہیں۔ یہ کتاب ۴۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲—**حول مناسک العمرة**: اس کے چھ ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔

۳—**حول مناسک الحج**: اس کے تین ایڈیشن چھپے ہیں۔

۴—**ومضة فی ظلام**: اس مجموعہ میں سیاسی مقالات اور دیگر تحریریں شامل ہیں۔ اشاعت ۱۹۷۲ء

۵—**سأبقی**: اس مجموعۂ مقالات کی اشاعت ۱۹۷۹ء میں ہوئی تھی۔

۶ –ھذہ امتی: اس میں دینی اور سماجی موضوعات پر مقالات اور قصے شامل ہیں۔
۷–تفسیر المبصر لنور القرآن: اس کا مفصل تعارف آئندہ سطور میں کرایا جارہا ہے۔

تفسیر المبصر لنور القرآن

اس تفسیر کی تالیف میں بیس (۲۰) سال اور طباعت میں چھ (۶) سال لگے۔ مطبعۃ الرسالۃ المقدسیۃ قدس سے اس کے دو ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔ پہلا ایڈیشن گیارہ (۱۱) جلدوں پر مشتمل تھا۔ اس میں مؤلفہ نے ہر جزء کے آخر میں تاریخ تالیف کی صراحت کردی تھی اور اس کا انتساب انھوں نے اپنے خاندان کے علماء کے نام کیا تھا۔ پیش لفظ میں تفسیر کی اہمیت، طریقہ اور محرکات بیان کیے تھے۔ اس پر مقدمہ ڈاکٹر اسماعیل نواہضۃ، عمید کلیۃ القرآن والدراسات الاسلامیۃ، جامعۃ القدس وخطیب مسجد اقصیٰ نے لکھا تھا۔ دوسرا ایڈیشن سولہ (۱۶) جلدوں میں ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس پر نظر ثانی اور مراجعہ چھ شخصیات نے کیا تھا، جن کی صراحت تفسیر کی ابتدا میں کردی گئی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: (۱) ڈاکٹر شیخ عکرمہ صبری (مؤلفہ کے شوہر) (۲) ڈاکٹر اسماعیل نواھضہ (۳) ڈاکٹر عبدالرحمن عباد (۴) شیخ احمد ذیاب (۵) الاستاذ ابراہیم عفانہ (۶) محترمہ بہیّہ عابدین۔ اس ایڈیشن پر دو حضرات نے تقریظ لکھی ہے: ایک ڈاکٹر عبدالرحمن عباد، الامین العام لہیئۃ العلماء والدعاۃ، فلسطین اور دوسرے الاستاذ ابراہیم خلیل عفانہ، المحرّر الثقافی لصحیفۃ القدس۔ دونوں نے مؤلفہ کی اس کاوش کی ستائش کی تھی اور اس کی علمی قدر و قیمت کا اعتراف کیا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں مؤلفہ نے بعض سورتوں کے شروع میں مضامین کی تفصیلی فہرست دی تھی۔ اسی طرح انھوں نے حوالوں کا اندراج حواشی میں کیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں یہ فہرست حذف کردی گئی اور حواشی کو ختم کر کے مصادر و مراجع کا تذکرہ متن کتاب میں شامل کردیا گیا۔

تفسیر لکھنے کا محرک

محترمہ نائلہ صبری نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس کی تالیف کے محرک پر

روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"کتاب اللہ کی تفسیر لکھنے کا محرک اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ سے میری شدید محبت ہے۔ میری بہت خواہش تھی کہ میں قرآنی آیات کی ایسی تشریح کروں جو موجودہ زمانے سے ہم آہنگ ہو، قرآن میں بیان کردہ قدروں کو اس طرح نمایاں کروں کہ شریعت کے منشا کے مطابق ہمارے روز مرّہ کے معاملات اور زندگی کی مشکلات و مسائل حل ہوں۔ میں نے اس کام کا آغاز کرنے سے قبل استخارہ کیا، پھر تفسیر لکھنے کا آغاز کیا۔ مجھے اس وقت مزید شرحِ صدر حاصل ہوا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ میری تفسیر اپنے دستِ مبارک میں لیے ہوئے خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ دوسری مرتبہ مجھے پھر آں حضرت ﷺ کا دیدار نصیب ہوا جب مسجد نبوی کی زیارت کے موقع پر مجھے نیند کی ایک جھپکی آئی تو میں نے دیکھا کہ آپؐ میری تفسیر کو اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں۔"

مصادرِ تفسیر

سیدہ نائلہ نے اپنی تفسیر کی تالیف کے دوران اسلامی علوم کے مختلف مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

(الف) کتبِ تفسیر

۱– جامع البیان فی تأویل القرآن۔ ابوجعفر طبری: مثلاً انھوں نے طبری کے حوالے سے سورۂ بقرہ:۶ کی شان نزول بیان کی، البقرۃ:۳۰ کی تفسیر میں قصۂ آدم کے ضمن میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی کہ زمین پر سب سے پہلے جن بسائے گئے، انھوں نے فتنہ و فساد پھیلایا اور کشت و خون کیا۔ البقرۃ:۲۳۹ کی تفسیر میں عطاؒ کی روایت ذکر کی کہ سواری پر نماز اشارہ سے پڑھی جاسکتی، چاہے اس کا رخ کسی بھی سمت میں ہو۔ وہ عموماً آیات کی شانِ نزول طبری سے نقل کرتی ہیں۔ البقرۃ:۲۱۹ کے نسخ سے

متعلق مفسرین کی آراء بیان کرنے میں انھوں نے طبری سے استفادہ کیا ہے۔

۲– الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور۔ جلال الدین سیوطی: اس سے وہ عموماً احادیثِ نبوی اور صحابہ وتابعین کے آثار روایت کرتی ہیں۔

۳– الکشاف عن حقائق التنزیل۔ جار اللہ زمخشری: مثلاً سورۂ ابراہیم: ۳۷ (فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ إِلَيْهِمْ) کی تفسیر میں انھوں نے زمخشری کی یہ تشریح نقل کی ہے کہ لفظ 'مِنْ' اس آیت میں تبعیض کے لیے آیا ہے۔ اگر یہ نہ لایا جاتا اور صرف 'الناس' کہا جاتا تو اس خطۂ پاک میں اتنے افراد جمع ہوتے کہ تِل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی۔

۴– البحر المحیط۔ ابوحیان: سورۂ البقرۃ: ۲۴۳ (أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ) کی تفسیر میں انھوں نے ابوحیانؒ کی یہ تشریح نقل کی ہے: ''یہ بنی اسرائیل کے لوگ تھے۔ انھیں جہاد کا حکم دیا گیا، مگر انھوں نے بزدلی دکھائی اور قتل ہونے کا اندیشہ کیا، چنانچہ اس سے بچنے کے لیے راہِ فرار اختیار کی، مگر اللہ نے ان پر موت طاری کردی، تاکہ انھیں معلوم ہوجائے کہ موت سے فرار ممکن نہیں۔ پھر اللہ نے انھیں زندہ کردیا اور جہاد کا حکم دیا۔''

۵– مفاتیح الغیب۔ فخر الدین رازی: انھوں نے لفظ 'شیطان' کی تشریح کرتے ہوئے رازیؒ کے حوالے سے لکھا ہے: ''شیطان کو مرجوم (لعنت زدہ) کہا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے آسمانوں سے بھگانے کے لیے اس پر شہابِ ثاقب کی بارش کریں۔ پھر ہر بدمعاش اور سرکش کو 'شیطان' کہا جانے لگا۔''

۶– الجامع لأحکام القرآن۔ ابوعبداللہ القرطبی: مثلاً لفظ 'مرض' کی تشریح انھوں نے قرطبیؒ کے حوالے سے ماہر لغت ابن فارس سے یہ نقل کی ہے: ''مرض ہر وہ چیز ہے جو انسان کو صحت کے دائرے سے خارج کردے، مثلاً کوئی جسمانی بیماری یا نفاق یا کسی معاملے میں کوتاہی''۔ تفسیر قرطبی سے انھوں نے عموماً فقہی احکام نقل کیے ہیں۔ مثلاً صائبہ اور ان کے ذبیحوں کا حکم، مسائلِ رضاعت کی تفصیل، شراب اور جُوا کے مسائل۔ کہیں کہیں انھوں نے اس تفسیر سے روایات بھی لی ہیں۔

۷– أحکام القرآن۔ جصّاص رازی: اس کتاب سے انھوں نے فقہی موضوعات ومسائل میں استفادہ کیا ہے۔

۸– روح المعانی۔آلوسی: مثلاً انھوں نے لفظ 'البصر' کی لغوی تشریح میں آلوسی کا حوالہ دیا ہے۔

۹– فتح القدیر۔شوکانی ۱۰– تفسیر المراغی

۱۱– صفوۃ التفاسیر۔صابونی ۱۲– فی ظلال القرآن۔سید قطب

۱۳– التحریر والتنویر۔ ابن عاشور

(ب) کتب علوم القرآن

سیدہ نائلہ نے ناسخ ومنسوخ، مکی و مدنی، اسماء سور اور حروف مقطعات کے مباحث میں علوم القرآن کی متعدد کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ خاص طور پر واحدی نیساپوری کی أسباب النزول سے شانِ نزول سے متعلق روایات لی ہیں۔

(ج) کتبِ حدیث

مؤلفہ نے کتبِ حدیث کی تمام اقسام سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً صحاح (بخاری ومسلم وغیرہ)، مستدرکات علی الصحیحین، سنن، مسانید، مصنّفات، کتبِ تخریج اور احادیث کا درجہ متعین کرنے والی کتب۔

(د) اسلامیات کی دیگر کتب

۱– قصص الأنبیاء۔عبدالوہاب النجار ۲– مع الأنبیاء فی القرآن۔عفیف طبارۃ

ان کتابوں سے مؤلفہ نے قرآنی قصوں کے ضمن میں استفادہ کیا ہے اور ان سے حاصل ہونے والے دروس ونصائح بیان کیے ہیں۔

۳– الفقہ الاسلامی وأدلّتہ۔ وھبۃ الزحیلی: اس کتاب کے حوالے آیاتِ احکام کی تفسیر اور فقہی احکام کے استنباط، ان احکام کی حکمتوں کی وضاحت اور حالات پر ان کی تطبیق کے ضمن میں آئے ہیں۔

سورتوں کا عمومی تعارف

آیاتِ قرآنی کی تفسیر سے قبل مؤلفہ نے ہر سورہ کا عمومی تعارف کرایا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے درجِ ذیل چیزیں بیان کی ہیں:

۱– سورہ کی نوعیت (کہ وہ مکی ہے یا مدنی)

اگر پوری سورت مدنی ہے، البتہ اس کی بعض آیات مکی ہیں، یا اس کے برعکس ہے تو اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ ابراہیم کے آغاز میں لکھتی ہیں کہ یہ سورہ مکی ہے، صرف اس کی تین آیتیں (۲۸–۳۰) مدنی ہیں۔ اسی طرح سورۂ رعد کی ابتدا میں لکھتی ہیں: یہ سورہ مدنی ہیں، سوائے دو آیتوں (۳۱، ۳۲) کے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ بعض سورتوں کے زمانۂ نزول میں اختلاف ہوتا ہے تو اس کی وضاحت کر دیتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے سلسلے میں تفسیر مراغی کے حوالے سے لکھتی ہیں: یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ مکے میں، جب نماز فرض ہوئی تھی اور دوسری مرتبہ مدینہ میں، جب تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا تھا۔

۲– آیات، کلمات اور حروف کی تعداد

مؤلفہ نے ہر سورت کی تفسیر سے قبل اس کی آیات، کلمات اور حروف کی تعداد بیان کی ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے بارے میں لکھا ہے: اس میں سات (۷) آیتیں، انتیس (۲۹) کلمات اور ایک سو تینتالیس (۱۴۳) حروف ہیں۔ سورۂ کہف کے بارے میں لکھا ہے: اس میں ایک سو دس (۱۱۰) آیتیں، ایک ہزار پانچ سو ستّر (۱۵۷۷) کلمات اور چھ ہزار تین سو ساٹھ (۶۳۶۰) حروف ہیں۔ یہی انداز انھوں نے تمام سورتوں میں اختیار کیا ہے۔

۳– اسماءِ سورہ

مؤلفہ ہر سورہ کے سلسلے میں منقول اسماء بیان کرتی ہیں اور سورہ کے مضمون سے ان کا ربط ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کی وجہ تسمیہ وہ یہ بیان کرتی ہیں: ”اس لیے کہ اس سے

مصحف کا آغاز ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت کرنی ہو یا کتابت، ابتدا سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے۔ نمازوں کا آغاز بھی اسی سورہ کی تلاوت سے ہوتا ہے۔" سورۂ البقرۃ کی وجہ تسمیہ میں انھوں نے ڈاکٹر محمود شلتوت کا یہ جواب نقل کیا ہے: "اس سورہ کو 'البقرۃ' اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ عہدِ موسیٰؑ میں بنی اسرائیل میں قتل کا ایک واقعہ رونما ہوا تھا۔ اس میں قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس کے لیے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔۔۔"

کسی سورہ کے جتنے بھی نام مروی ہیں، وہ ان سب کو بیان کرنے کا اہتمام کرتی ہیں اور ان کی وجوہِ تسمیہ بھی ذکر کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے انھوں نے پندرہ نام درج کیے ہیں: **الفاتحة - أم الكتاب - أم القرآن - الصلاة - الحمد - السبع المثانی - القرآن العظيم - الشفائ - الرقية - الأساس - الوافية - الكافية - الكنز - تعليم المسئلة - النور**۔ اسی طرح سورۂ بقرہ کے انھوں نے مزید تین نام تحریر کیے ہیں: **سنام القرآن - فسطاط القرآن - السبع الطوال**۔ کتبِ تفسیر (البحر المحیط، روح المعانی، السراج المنیر) سے انھوں نے سورۂ آل عمران کے مزید سات نام بیان کیے ہیں: **الزهرائ - الأمان - الكنز - المعينة - المجادلة - طيبة - الاستغفار**۔

۴۔ فضائلِ سورہ

انھوں نے ہر سورہ کے فضائل بیان کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ کبھی اسمائِ سورہ کے بیان سے قبل اور کبھی اس کے بعد۔ اس سلسلے میں وہ کتبِ حدیث و تفسیر پر اعتماد کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے ذیل میں انھوں نے لکھا ہے: "مروی ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو شیطان چیخ و پکار کرنے لگا۔" سورۂ بقرہ کے سلسلے میں بیان کرتی ہیں: "عہدِ نبوی میں غزوات کے دوران سورۂ بقرہ کے حفّاظ کو آگے رکھا جاتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ حنین میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھا تو پکارا: **يا أصحاب سورة البقرة**۔ عروہ بیان کرتے ہیں کہ مسلیمہ کذّاب کی فوج سے جنگ کرتے وقت صحابہ ایک دوسرے کو ان الفاظ میں پکارتے تھے: **يا أصحاب سورة البقرة**۔ سورۂ آل عمران کی فضیلت میں انھوں نے چار احادیث ذکر کی ہیں۔ یہی انداز سورۂ کہف اور دیگر سورتوں میں بھی ہے۔

۵–سورہ کے امتیازات

قرآن کی ہر سورت امتیازی شان رکھتی ہے اور محور اور ہدف کے معاملے میں اس کا خاص رنگ ہے۔ مؤلفہ ہر سورت کی تمہید میں ایسے جملے تحریر کرتی ہیں جن سے اس کے امتیازات پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے سلسلے میں وہ لکھتی ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنے پانچ نام ذکر کیے ہیں: اللہ-رب-رحمن-رحیم-مالک-اللہ سے خالق پر دلالت ہوتی ہے۔ رب سے اشارہ ملتا ہے کہ اس نے نعمتوں سے نوازا ہے۔ رحمن وہ ہے جو نافرمانی کرنے والوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ رحیم وہ ہے جو گناہ گار کی توبہ قبول کرتا ہے اور مالک کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن بدلہ دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔'' بسا اوقات وہ اس سلسلے میں تفصیل سے اظہار خیال کرتی ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے سورۂ رعد میں کیا ہے۔

منہجِ تفسیر

ہر سورہ کے بارے میں مذکورہ بالا چیزیں بیان کرنے کے بعد جب وہ تفسیر کا آغاز کرتی ہیں تو تین باتوں کا اہتمام کرتی ہیں: (۱) اسباب نزول (۲) مفردات کی تشریح (۳) ہر آیت کی الگ الگ تفسیر۔ ان تینوں باتوں کا انھوں نے بالعموم التزام کیا ہے۔ ذیل میں ان کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱– اسبابِ نزول

آیت کی تفسیر سے قبل، اگر اس کے ضمن میں اسبابِ نزول کی روایات ہوتی ہیں تو وہ انھیں ذکر کرتی ہیں۔ اس کے لیے وہ کتبِ تفسیر و علوم القرآن اور خاص طور پر کتب اسباب النزول پر اعتماد کرتی ہیں۔ کبھی وہ بہت سے اسبابِ نزول میں سے ایک یا ایک سے زائد کو بیان کرتی ہیں اور کبھی بغیر ترجیح کر کے تمام روایات نقل کر دیتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي

إِسْرَائِيْلَ عَلَى مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ۔(الاحقاف:۱۰)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ایک یہودی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اسلام لے آیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے سببِ نزول کی عام روایت ذکر کی ہے، پھر دوسری وہ روایات بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت (یہودی نومسلم) حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی، یا ان میں ان کی فضیلت اور ان کے قبولِ اسلام کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

سورۃ النحل کی پہلی آیت (أَتَى أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ) کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے: ''سورۂ قمر کی پہلی آیت (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ) نازل ہوئی تو کفار نے باہم کہا کہ محمد (ﷺ) نے قربِ قیامت کی خبر دی ہے، اس لیے اپنے آپ کو سدھار لو۔ کافی دن گزر گئے، کچھ نہیں ہوا، تو اس پر اشکال وارد کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔''

بسا اوقات اگر سببِ نزول کی روایت طویل ہوتی ہے تو وہ اسے مختصراً بیان کرکے اس کا حوالہ دے دیتی ہیں۔ مثلاً سورۃ النحل: ۴۱ (وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابن جریرؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ابوجندل بن سہیلؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ پھر اس کے سلسلے میں واحدی کی کتاب أسباب النزول کا حوالہ دیا ہے، لیکن واقعہ کی تفصیل ذکر نہیں کی ہے۔

کبھی کسی آیت کے ضمن میں وارد اسبابِ نزول کی تمام روایات نقل کرتی ہیں اور ان کتبِ تفسیر کا تذکرہ کرتی ہیں جن میں یہ روایات اختصار یا تفصیل سے آئی ہیں۔ مثلاً آیت: يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ (البقرۃ:۲۱۷) کی شان نزول میں وارد تمام روایات نقل کرنے کے بعد سید قطب کے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ یہ سوال سریۂ عبداللہ بن جحشؓ کے بارے میں کیا گیا تھا۔

۲– مفردات کی تشریح

مفسرہ صرف مشکل الفاظ ہی نہیں، بلکہ بسا اوقات عام الفاظ (جن کے معانی عربی زبان جاننے والا ہر شخص سمجھتا ہے) کی بھی تشریح کرتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ الفاظ کی تشریح عموماً اپنے طور پر کرتی ہیں، کتبِ لغت و معاجم کا کوئی حوالہ نہیں دیتیں۔ کسی لفظ کی تشریح کے دوران کبھی اس کے مترادفات بھی بیان کرتی ہیں اور کبھی اس کے بغیر اس کی تشریح کردیتی ہیں۔ مثلاً آیت: وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ (الاسرائ:۱۳) کی تشریح میں لکھتی ہیں:

> ''ہر انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے، اس کا اس کو بدلہ مل کر رہے گا۔ گویا وہ اس سے اس طرح چپک جاتا ہے جیسے گردن میں قلادہ کہ وہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ اور 'طایر' سے مراد انسان کا عمل ہے۔ آیت میں لفظ 'عنق' (گردن) حسن اور قبح دونوں معانی میں آیا ہے۔ اگر اس کا عمل نیک ہوگا تو اس کی گردن میں قلادہ کے مثل ہوگا اور اگر بُرا ہوگا تو طوق کے مثل ہوگا۔''

آیت: وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً (الاسرائ:۲٦) کے ذیل میں 'اسراف وتبذیر' کی تشریح اور ان کے درمیان فرق کی وضاحت ان الفاظ میں کرتی ہیں: ''تبذیر کا مطلب ہے ناحق خرچ کرنا۔ جو شخص اپنا مال حق کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے 'مُبَذِّر' نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً (الفرقان:٦٧) زیادہ خرچ کرنے کو تبذیر اور اسراف نہیں کہا جاتا، بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ کہاں خرچ کیا جارہا ہے؟ اگر انفاق اطاعتِ الٰہی کی راہ میں ہو تو جتنا بھی کیا جائے، اسے اسراف نہیں کہا جائے گا، لیکن اگر وہ معصیتِ الٰہی کی راہ میں اور ناحق ہو تو کتنا بھی کم ہو، اسے اسراف کہا جائے گا۔''

بسا اوقات وہ لفظ کا اصل مادہ بیان کرتی ہیں، اس کے مختلف استعمالات کا تذکرہ کرتی ہیں، پھر بتاتی ہیں کہ سیاقِ آیت میں اس کا کون سا معنیٰ مقصود ہے؟ مثلاً آیت:

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الأَسْبَابُ (البقرۃ:۱۶۶) میں لفظ 'اسباب' کی تشریح انھوں نے یہ کی ہے:

"'اسباب' کا واحد 'سبب' ہے۔ اس کا اصل معنیٰ ہے وہ رسّی جس کے سہارے پودا اوپر چڑھتا ہے۔ چنانچہ اس کا استعمال 'سہارا' اور 'واسطہ' کے معنیٰ میں ہونے لگا۔ اِس آیت میں اس سے مراد محبت ومودّت کے وہ رشتے ہیں جو حکم چلانے والوں اور حکم ماننے والوں کے درمیان پائے جاتے ہیں۔"

یہاں وہ خلافِ معمول 'صفوۃ البیان' (ص ۳۸) کا حوالہ دیتی ہیں اور آخر میں بہ طور خلاصہ کہتی ہیں کہ 'اسباب' کے معنیٰ یہاں محبت، تعلق اور قرابت کے ہیں۔

۳— نصِّ آیت کی تفسیر

سببِ نزول کی وضاحت اور مفرد الفاظ کی تشریح کے بعد وہ آیت کی تفسیر کرتی ہیں اور اس میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان کی وضاحت بہت عمدہ اسلوب میں کرتی ہیں، جس میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں ہوتا۔

اصولِ تفسیر کی رعایت

سیدہ نائلہ کا منہج تفسیر، تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی المحمود دونوں کا جامع ہے۔ ذیل میں نکات کی شکل میں اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔

۱— تفسیر القرآن بالقرآن

سب سے پہلے وہ نصِّ آیت کی تفسیر وتشریح کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس کے لیے قرآن کریم کی دیگر آیات پیش کرتی ہیں، جن میں وہی مضمون وارد ہوا ہے، یا اس کی مزید تفصیل بیان کی گئی ہے، یا اس کی تخصیص یا تقیید کی گئی ہے، تا کہ مختلف سورتوں میں پائے جانے والے نظائر سے معنیٰ کی خوب وضاحت ہوجائے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے کسی آیت کی مجمل تفسیر بیان کرتی ہیں، پھر کہتی ہیں کہ اس کی نظیر فلاں فلاں آیتیں ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَسٰی رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ

لِلْكَافِرِينَ حَصِيراً۔ (الاسراء ۸:)

اس کی تفسیر میں وہ لکھتی ہیں : ''اللہ تعالیٰ یہود سے فرماتا ہے کہ اگر تم نے دوبارہ زمین میں فساد مچایا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا تو ہم بھی دوبارہ تمھیں سزا دیں گے اور تم سے انتقام لیں گے۔'' پھر کہتی ہیں: اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (الاعراف ۱۶۷:)

بسا اوقات وہ ایک مضمون کی وضاحت کے لیے تمام ہم معنیٰ آیات جمع کر دیتی ہیں۔ مثلاً قومِ ثمود پر عذابِ الٰہی کا تذکرہ قرآن میں ایک جگہ ان الفاظ میں ہے :

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۔(الذاریات: ۴۴)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے دیگر نظائر یکجا کر دیے ہیں، جو یہ ہیں:

— فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۔ (الاعراف ۷۷:)

— وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ۔ (ھود :۶۷)

— فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ۔ (الاعراف ۹۱ :)

— فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ۔ (الحاقۃ :۵)

ایک لفظ کے اگر کئی معانی ہوں تو اس کے جو معنیٰ سیاقِ آیت میں مراد ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کے لیے وہ دیگر آیات پیش کرتی ہیں۔ مثلاً آیت :وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيراً (الاسرائ: ۸) میں لفظ 'حَصِيراً' کی تشریح وہ یوں کرتی ہیں : ''لغت میں 'حصیر' چٹائی کو کہتے ہیں، جسے بچھایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال بستر، قید خانہ اور جیل کے معانی میں بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں کافروں کا اخروی انجام بیان کر رہا ہے کہ جہنم ان کے لیے بستر اور قید کے مثل ہوگی، جس سے انھیں چھٹکارا ملے گا نہ وہ کوئی

جائے قرار پائیں گے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف:۴۱)۔

۲– تفسیر القرآن بالسنة

سیدہ نائلہ صبری کو تفسیرِ قرآن میں سنتِ نبوی کی اہمیت کا بہ خوبی احساس ہے۔ اسی لیے وہ آیت کی تفسیر میں قرآنی نظائر پیش کرنے کے بعد قولی اور عملی احادیث بھی کثرت سے نقل کرتی ہیں۔ بسا اوقات وہ احادیث کی عبارتیں نہیں درج کرتیں، بلکہ ان کے سلسلے میں کتبِ تفسیر و حدیث کا حوالہ دے دیتی ہیں، جیسا کہ انھوں نے سورۂ کہف کی فضیلت میں وارد روایات کے سلسلے میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ (ھود:۱۱) اس کی تفسیر میں انھوں نے دو حدیثیں بیان کی ہیں، جن میں اپنے آپ کو اور اپنے مال و اولاد کو بددعا دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لاتدعوا علی أنفسکم، ولاتدعوا علی أولادکم، ولا تدعوا علی خدمکم، ولا تدعوا علی أموالکم، توافقوا من اللہ تبارک و تعالیٰ ساعة نیل فیها عطاء فیستجیب لکم''[أبو داؤد: ۱۵۳۲]۔ (اپنے آپ پر بددعا نہ کرو اور نہ اپنے، خادموں، اولاد اور مال پر بددعا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کی جانب سے قبولیتِ دعا کا وقت ہو اور وہ اسے قبول کرلے)۔ دوسری حدیث حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لاتدعوا علی أنفسکم الا بخیر، فان الملائکة یؤمنون علی ماتقولون''[مسلم: ۹۲۰]۔ (اپنے بارے میں اچھی دعا ہی کیا کرو۔ اس لیے کہ تم جو کچھ کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔)

اعمال اور عبادات کے فضائل اور ان کے احکام اور حکمتوں کے بیان میں وہ کثرت سے احادیث کا ذکر کرتی ہیں۔ مثلاً آیاتِ صیامِ رمضان کے ضمن میں۔ اسی طرح آیت: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرة:۱۸۶) کی تفسیر میں انھوں نے دعا کی فضیلت، دعا کرنے والے کی صفات اور

دعا کے مستحب اوقات سے متعلق متعدد احادیث بیان کی ہیں۔

حدیث پر حکم لگانے میں وہ تخریج حدیث کی کتابوں سے مدد لیتی ہیں اور اس کا درجہ متعین کرنے کے لیے مخصوص مصادر اور ناقدینِ حدیث، مثلاً خطیب بغدادیؒ اور ناصرالدین البانیؒ کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی روایت ضعیف یا موضوع ہوتو اس پر تنبیہ وہ حوالوں کے ساتھ کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ ابراہیم میں شجرۃ طیبۃ (آیت: ۲۴) کی تفسیر میں انھوں نے یہ روایت نقل کی ہے: ''اپنی پھوپھی کی عزت کرو''۔ دریافت کیا گیا: پھوپھی سے مراد کیا ہے؟ فرمایا: کھجور کا درخت۔ پھر لکھا ہے: اس کی تخریج عقیلی نے الضعفاء میں، ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں اور ابن الجوزی نے الموضوعات میں کی ہے۔''

اسی طرح کسی ایک مسئلہ میں متعدد آراء ہوں تو ان کے بیان میں بھی وہ حدیثِ نبوی سے مدد لیتی ہیں۔ مثلاً 'الصلوٰۃ الوسطیٰ' (البقرۃ: ۲۳۸) سے مراد کون سی نماز ہے؟ اس سلسلے میں انھوں نے علماء کی آراء اور ان کی ترجیحات ذکر کی ہیں، ہر رائے کی تائید میں جو احادیث مروی ہیں، انھیں پیش کیا ہے، پھر ترجیح اس رائے کو دی ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ انھوں نے احادیث پیش کرنے کا اہتمام آیاتِ احکام کی تفسیر میں کیا ہے، خاص طور سے وہ احکام جو حلال و حرام اور حقوق سے متعلق ہوں، مثلاً طلاق و عدت کے مسائل اور دیگر فقہی احکام۔

۳–تفسیر القرآن بالآثار

مفسرین نے نصوصِ قرآن کی تفسیر میں اقوالِ صحابہ سے بھی مدد لی ہے۔ اس لیے کہ وہ زمانۂ نزول قرآن میں موجود تھے اور اس کے معانی سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ واقف تھے۔ یہ طریقہ سیدہ نائلہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ وہ صحابہ کے ایسے اقوال نقل کرتی ہیں جن سے آیت یا حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے یا نص سے التباس کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً کلالۃ (النسائ: ۱۷۶) کے بارے میں انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا نہ بیٹا ہو نہ باپ۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۹ میں لفظ 'فاحشة' کی تفسیر میں بیان کرتی ہیں کہ اس سے مراد حضرات ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ضحاکؒ اور قتادہؒ کے نزدیک بغض ونفرت اورنشوز (شوہر سے سرتابی) اور حسنؒ کے نزدیک زنا ہے۔ سورۂ اسرائ: ۳ (ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً) کی تفسیر میں حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''حضرت نوحؑ جب کوئی کپڑا پہنتے یا کچھ کھاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے۔ اسی لیے انھیں 'عبد شکور' کہا گیا ہے۔'' سورۂ حجر: ۳ (ذَرْهُمْ يَأْكُلُواْ وَيَتَمَتَّعُواْ وَيُلْهِهِمُ الأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ) کی تفسیر میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''مجھے تمھارے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے: بہت زیادہ امیدیں اور خواہشات کی پیروی۔ اس لیے کہ بہت زیادہ امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں اور خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔''
سورۂ آل عمران: ۲۸ میں وارد لفظ 'تقیّہ' کی تفسیر میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور مجاہدؒ کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ ''اس کی اجازت ابتدائے اسلام میں دین کے استحکام سے قبل تھی''۔ انھوں نے تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں سے عطاؒ، مجاہدؒ، شعبیؒ اور سعید بن المسیّبؒ وغیرہ کے اقوال کثرت سے نقل کیے ہیں۔

۴– فقہی احکام کا بیان

مؤلفہ جب احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتی ہیں تو فقہی حکم (یا فقہی احکام) کا ذیلی عنوان قائم کرتی ہیں اور مسائل کو بہت آسان اسلوب میں نکات کی شکل میں بیان کرتی ہیں۔ ایسے مواقع پر وہ عموماً فقہی اختلافات اور ان کی تشریحات سے گریز کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں وہ ایک سوال قائم کرتی ہیں: سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز میں واجب ہے یا نہیں؟ پھر اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد جمہور کے قول کو راجح قرار دیتی ہیں کہ اس کا پڑھنا واجب ہے۔ ساتھ ہی اس کے دلائل کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ یہی انداز انھوں نے استعاذہ (أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا) اور بسملة (بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا) کے سلسلے میں اور وصیت، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام کے ضمن میں بھی اختیار کیا ہے۔

کہیں کسی آیت کی مخصوص توضیح کی ضرورت ہوتی ہے تو 'توطئۃ' (تمہید) کا ذیلی عنوان قائم کرتی ہیں۔ مثلاً آیتِ صیام (البقرۃ: ۱۸۳) کے ذیل میں انھوں نے یہ عنوان قائم کرکے ان نکات پر بحث کی ہے: روزہ دیگر اقوام میں۔ روزہ اسلام میں۔ ارکانِ صوم۔ روزہ کی قسمیں (فرض، مسنون، حرام)۔ روزہ کی شرطیں۔ روزہ سے حاصل ہونے والے دروس۔ روزہ کے فوائد۔ روزہ کے آداب (سحری کھانا، افطار میں جلدی کرنا، افطار کے وقت دعا، زبان کی حفاظت، کثرت سے ذکرِ الٰہی، کھجور یا پانی سے افطار کرنا، مسواک کرنا، روزے دار کا کم کھانا، قیامِ لیل، عمرہ اور اعتکاف) وغیرہ۔ یہ تمام بحثیں انھوں نے آیت کی تفسیر کرنے اور احکام بیان کرنے سے قبل کی ہیں۔

آیاتِ حج (البقرۃ:۱۹۶۔ ۲۰۰) کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے گیارہ صفحات میں حج سے متعلق اکسٹھ (۶۱) نکتے بیان کیے ہیں۔ ہر نکتہ کے ذیل میں کسی آیت، حدیث یا اثر سے استدلال کیا ہے۔ آیات کی تفسیر کے بعد 'تتمہ' کے عنوان سے ایک بار پھر گیارہ (۱۱) نکات میں مناسکِ حج کے فقہی احکام درج کیے ہیں۔ ان تمام مواقع پر وہ عموماً فقہی اختلافات سے گریز کرتی ہیں، البتہ جہاں ضرورت ہوتی ہے، ایک مسئلے میں متعدد فقہی آراء ذکر کرتی ہیں، مثلاً مرتد اور اس کی وراثت کے مسئلہ میں انھوں نے تمام فقہی آراء کا استقصاء کیا ہے۔

۵— نحو، لغت اور بلاغت کے مباحث کا اہتمام

مفسرہ نے اپنی تفسیر میں جا بہ جا نحو، لغت اور بلاغت کے پہلوؤں پر بھی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور بڑے لطیف نکتے بیان کیے ہیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِىْ اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّا أَضَاءتْ مَا حَوْلَهُ** (البقرۃ: ۱۷) اس آیت میں 'ما' حرفِ زائد ہے۔ اسے تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

ارشاد ہے: **هَلْ يَنظُرُونَ إِلاَّ أَن يَأْتِيَهُمُ اللّهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلآئِكَةُ** (البقرۃ: ۲۱۰) اس آیت میں ھل (حرفِ استفہام) نفی کے معنیٰ میں ہے۔

ارشاد ہے: زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيوةُ الدُّنيا (البقرة:۲۱۲) اس آیت میں فاعل مؤنث ہے، لیکن فعل مؤنث (زُيِّنتُ) کے بجائے مذکر (زُيِّنَ) لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان کے درمیان لِلَّذِينَ كَفَرُوا آ گیا ہے اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جائے تو فاعل کے مؤنث ہونے کے باوجود اس کا فعل مذکر لایا جا سکتا ہے۔

سورۂ کہف میں، جب خضر نے کشتی میں شگاف کر دیا تو موسیٰؑ نے فرمایا: لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً إِمْراً (آیت:۷۱) اور جب انھوں نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا تو انھوں نے فرمایا: لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً نُكْراً (آیت: ۷۴) الفاظ میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے موقع پر حضرت موسیٰؑ نے تعجب کا اظہار کیا اور تعجب خیر اور شر دونوں مواقع پر کیا جاتا ہے، جب کہ دوسرے موقع پر حضرت موسیٰؑ نے نکیر کی اور نکیر صرف غلط کام پر کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ لڑکے کو قتل کرنا کشتی میں شگاف کرنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ برا فعل تھا۔

قرآن میں اگر ایک ہی چیز کے لیے ایک سے زائد الفاظ کا استعمال ہوا ہے تو ایسے موقع پر بھی مفسرہ ان کے درمیان لغوی فرق اور ان کے استعمال کی حکمت واضح کرتی ہیں۔ مثلاً سورۂ کہف میں ہے: حَتّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ (آیت: ۷۷) آگے ہے: وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ (آیت: ۸۲)۔ ایک ہی بستی کو ایک جگہ قریۃ اور دوسری جگہ مدینۃ کہا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ یٰسٓ میں ہے: وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلاً أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ (آیت: ۱۳) اور آگے ہے: وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى (آیت: ۲۰)۔ یہاں بھی ایک ہی مقام کو ایک جگہ قریۃ اور دوسری جگہ مدینۃ کہا گیا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ صلاح، ایمان اور مومنین کا تذکرہ کرتا ہے تو وہاں لفظ مدینۃ آیا ہے اور جب فساد اور مفسدین کا تذکرہ کرتا ہے تو وہاں قریۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

مفسرہ نے اپنی تفسیر میں کہیں کہیں اشعار سے بھی استدلال کیا ہے، لیکن بہت کم۔ مثلاً سورۂ بقرہ: ۹۴ (قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآخِرَةُ عِندَ اللّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُاْ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ کی تفسیر کے تحت انھوں نے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کا یہ شعر نقل کیا ہے، جو انھوں نے معرکۂ مؤتہ کے موقع پر اپنی شہادت سے قبل پڑھا تھا:

یاحبّذاالجنۃو اقترابھا طیّبۃ وبارد شاربھا

سورۂ ق کے تحت وہ لکھتی ہیں کہ اس میں درج ذیل بلاغی وجوہ پائے جاتے ہیں: (۱) تشبیہ مرسل (۲) استعارہ (۳) جناس (۴) طباق (۵) سجع۔ قابل ذکر یہ ہے کہ وہ 'فاصلہ' کے بجائے 'سجع' کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں۔ اسی طرح سورۂ رعد میں ان وجوہِ بلاغی اور صورِ بیانی وبدیعی کی نشان دہی کی ہے: (۱) جناس (۲) مجاز عقلی (۳) طباق (۴) سجع۔ آیت وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: ۲۲۸) کے تحت کہتی ہیں کہ اس میں دو حرفوں کے درمیان 'طباق' پایا جاتا ہے۔ یہ علم البدیع میں سے ہے۔ اسی طرح آیت: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا (البقرۃ: ۱۷) کے ذیل میں کہتی ہیں کہ اس میں تشبیہ تمثیلی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو آگ جلانے والے سے، اظہارِ ایمان کو آگ روشن کرنے سے اور ان کے باطن کو تاریکی سے تشبیہ دی ہے۔

تفسیر کے دیگر امتیازی پہلو

۱– آیات کے درمیان ربط وتناسب

اگرچہ مفسّرہ نے ہر آیت کی علیحدہ تفسیر کی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ آیات کے درمیان ربط وتناسب بیان کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ البقرۃ: ۱۴۲ (سَیَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ۔۔۔الخ) کا ربط وہ اگلی آیت (وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔۔۔الخ) سے یوں بیان کرتی ہیں: "یعنی جس طرح ہم نے تمھاری رہ نمائی ابراہیمؑ کے قبلے کی طرف کی ہے، جو روئے زمین کے وسط میں واقع ہے، اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا ہے۔" سورۂ بقرہ۲۳۷: میں طلاق کے احکام مذکور ہیں، اس کے بعد کی آیت میں نماز کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ دونوں کے درمیان ربط کی نشان دہی وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں: "اس آیت میں نماز کی محافظت کا بیان ہے، جب کہ اس سے قبل کی آیت نکاح وطلاق سے متعلق تھی۔ بہ الفاظ دیگر آیت سابقہ میں مصالح دنیا کا بیان تھا اور مابعد آیت مصالح آخرت

سے متعلق ہے۔ سورۂ بقرہ: ۲۱۹ — ۲۲۰ میں پہلے شراب اور جوا کے بارے میں حکم مذکور ہے، پھر انفاق کا بیان ہے، اس کے بعد یتامیٰ کا ذکر ہے۔ اس پر لکھتی ہیں: ''یتامیٰ کے بارے میں سوال کو سابقہ دو سوالات (انفاق اور شراب و جوا کے بارے میں) سے مربوط اس لیے کر دیا گیا کہ وہ سوالات دو ایسے گروہوں سے متعلق ہیں، جن میں سے ایک کارِ خیر میں اپنا مال خرچ کرتا ہے اور دوسرا معاصی میں۔

۲ — تفسیری نکتے

سیدہ نائلہ دورانِ تفسیر جا بہ جا لطیف نکتے بیان کرتی ہیں۔ مثلاً آیت فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ (البقرۃ: ۲۴) کے ذیل میں انھوں نے پہلے یہ سوال قائم کیا ہے: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے 'الناس' اور 'الحجارۃ' کو ایک ساتھ کیوں بیان کیا ہے اور انسانوں کے ساتھ پتھروں کو کیوں جہنم کا ایندھن بنایا ہے؟ پھر تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر کی روشنی میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ''مشرکین نے اپنے گھڑے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بنا لیا تھا اور انھیں اللہ کا ہم سر قرار دیتے تھے، اس لیے اللہ نے عذاب میں انھیں بھی شریک کر لیا اور انھیں بھی جہنم کا ایندھن بنا دیا۔'' مقام محمود (الاسراء: ۷۹) کی تفسیر میں انھوں نے پہلے وہ احادیث نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ شفاعت کریں گے اور اذان کے بعد پڑھی جانے والی اُس دعا کی فضیلت بیان کی ہے، جس میں آپؐ کے لیے مقام محمود کی درخواست کی گئی ہے۔ پھر لکھا ہے: ''یہ آیت واضح کرتی ہے کہ مقام محمود تک پہنچنے کا راستہ نماز، قرآن، تہجد اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دائمی ربط ہے۔''

۳ — حالاتِ حاضرہ سے ربط

اس تفسیر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں آیاتِ قرآنی کی تفسیر و توضیح حالاتِ حاضرہ سے جوڑ کر کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر مؤلفہ جب شراب اور جوے کی حرمت سے متعلق آیات کی تفسیر کرتی ہیں تو ان کے مضرات تفصیل سے بیان کرتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ ان کی وجہ سے بہت سے گھروں اور خاندانوں کی بربادی ہوتی ہے۔

ذوالقرنین (الکہف: ۸۳) سے متعلق آیات کی تفسیر کرتی ہیں تو اسے ایک عدل پرور حکم راں کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں۔ لکھتی ہیں: ''حکم راں اگر عدل پرور ہو تو اس کی عمل داری میں نیک لوگوں کو عزت اور سہولت ملتی ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور ظالموں اور سرکشوں کو ذلت، سختی اور سزا ملتی ہے، لیکن حکم راں اگر ظالم ہو تو وہ ظالموں اور فسادیوں کو اپنے سے قریب رکھتا اور انھیں اپنی مملکت میں آگے بڑھاتا ہے اور اس کے زیرِ سایہ نیک لوگوں اور مخلص علماء کو دھتکارا جاتا ہے اور ان کے خلاف کارروائیاں کی جاتی ہیں، جیسا کہ آج کے ہمارے بہت سے حکم رانوں کا حال ہے۔'' آیاتِ قتال کی تفسیر کرتی ہیں تو بیان کرتی ہیں کہ جہاد کب واجب ہوتا ہے؟ اور وہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ آخر میں کہتی ہیں کہ آج فلسطین کے معاملے میں مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ جن آیات میں عورتوں کے مسائل بیان کیے گئے ہیں، مثلاً نکاح، طلاق، ایلاء اور حیض وغیرہ، ان کی تفسیر کرتے ہوئے وہ خاص طور پر انھیں حالاتِ حاضرہ سے مربوط کرتی ہیں۔

۴– قرآن کا سائنسی اعجاز

دورانِ تفسیر کبھی کبھی وہ قرآن کے سائنسی اعجاز کو نمایاں کرتی ہیں۔ مثلاً ذوالقرنین کے قصے میں جہاں یہ مذکور ہے کہ اس نے دیوار بناتے وقت لوہے کی چادروں کے درمیان پگھلا ہوا تانبا ڈلوایا (الکھف: ۹۶) مفسرہ لکھتی ہیں: ''لوہے کی مضبوطی کے لیے موجودہ دور میں یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس سے لوہے کی طاقت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ قرآن کریم نے بہت پہلے اس جدید سائنٹفک طریقہ کا انکشاف کردیا تھا۔'' قرآن کی جن آیتوں میں محرمات کا بیان ہے، مثلاً شراب، خنزیر، سود، عورتوں سے حالتِ حیض میں دوری وغیرہ، ان کی تفسیر کرتے ہوئے وہ ان کا طبّی اور علمی اعجاز نمایاں کرتی ہیں۔

تفسیر المبصر لنور القرآن کا تجزیاتی مطالعہ بتاتا ہے کہ عصر حاضر میں لکھی جانے والی یہ تفسیر متعدد پہلوؤں سے اہمیت کی حامل ہے۔ یہ اہمیت اُس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاتون کی علمی کاوش ہے۔ ☆☆☆

تعارف وتبصرہ

تحقیقات مسایلِ میراث

ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان
مترجم: ابوخالد سمیع اللہ فیضی

ناشر: مروہ پبلی کیشنز، D-58، فلیٹ نمبر 1، شاہین باغ، نئی دہلی – ۲۵، ۲۰۱۵ئ، ص: ۲۶۸، قیمت –/۲۰۰ روپے

علمِ میراث، جسے علم الفرائض بھی کہا جاتا ہے، اس کی جہاں ایک طرف غیر معمولی اہمیت ہے کہ اسے حدیث میں 'نصف العلم' کہا گیا ہے، وہیں دوسری طرف اس سے بے اعتنائی بھی عام ہوگئی ہے۔ مسلمانوں میں میراث تقسیم کرنے کا رواج کم ہو رہا ہے اور جو لوگ شریعت کے مطابق تقسیم کرنا چاہتے ہیں انھیں ایسے اصحابِ علم مشکل سے ملتے ہیں جو اس کی جزئیات کا استحضار رکھتے ہوں۔ فقہ کی قدیم کتابوں میں ایک مستقل باب علم الفرائض کا ہوتا تھا اور جدید دور میں بھی متعدد اہل علم نے اس کو تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور کئی کتابیں عربی زبان میں شائع ہوچکی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک وقیع کتاب شیخ صالح بن فوزان الفوزان، رکن مجلس کبار علماء ریاض کی **التحقیقات المرضیۃ فی المباحث الفرضیۃ** ہے، جس کا کسی قدر اختصار کے ساتھ اردو ترجمہ زیرِ نظر کتاب کی صورت میں کیا گیا ہے۔ یہ خدمت جناب سمیع اللہ فیضی (ولادت ۱۹۵۰ئ) نے انجام دہی ہے۔ موصوف مدرسہ فیض عام مئو (اتر پردیش) سے ۱۹۶۹ء میں فضیلت کرنے کے بعد علاقہ ہی کے مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۹۴ء سے مرکز تحفیظ القرآن والدعوۃ والتعلیم، سدھارتھ نگر سے وابستہ ہیں۔ علم الفرائض پر انھیں دست رس حاصل ہے۔

یہ کتاب مقدمہ کے علاوہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں علم الفرائض کی اہمیت، دورِ جاہلیت میں تقسیمِ میراث کی روایت اور اسلامی نظامِ میراث کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ باب اول میں وراثت کی شرائط، ولاء اور موانعِ ارث مذکور ہیں۔ باب دوم میں مستحقینِ وراثت میں ذوی الفروض اور عصبہ کا مفصل بیان ہے۔ اگلے چار ابواب میں تقسیمِ وراثت کی دیگر بحثیں (حجب، معادہ، عول، انکسار، مناسخہ، خنثیٰ، حمل اور مفقود کی

وراثت) ہیں۔ باب ہفتم میں مسئلہ رد اور ذوی الارحام کی وراثت پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔

علم الفرائض کے مباحث یوں بھی دقیق ہیں۔ اس موضوع پر کسی عربی کتاب کا اردو ترجمہ آسان نہ تھا، لیکن فاضل مترجم اس سے کام یابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ اگرچہ عام افراد کے لیے اس سے استفادہ دشوار ہے، لیکن امید ہے، دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ، ریسرچ اسکالرس اور دیگر اصحابِ علم اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں گے۔ تقسیم میراث پر اردو زبان میں بعض آسان کتابیں شائع ہوگئی ہیں، جن سے عام لوگ استفادہ کر سکتے ہیں۔ **(محمد رضی الاسلام ندوی)**

دستاویزاتِ مشاورت Mushawarat Documents

(۱۹۶۴–۲۰۱۵ئ) (اردو/انگریزی) جمع و تدوین: ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

ناشر: فاروس میڈیا، D-84، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی – ۲۵

سن اشاعت: ۲۰۱۵ئ، صفحات: ۱۰۸۶ (اردو)، ۶۲۰ (انگریزی)، قیمت –/۲۰۰۰ روپے

زیرِ نظر کتاب آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی پچاس سالہ دستاویزات پر مشتمل ہے۔ اسے اس کی گولڈن جبلی تقریبات کے موقع پر شائع کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب معروف دانش ور اور صحافی ڈاکٹر ظفر الاسلام خان نے کی ہے۔ موصوف کی پہچان ایک محقق اور مؤرخ کے طور پر ہے۔ ان کی انگریزی کتابیں Palestine Documents اور Hijrah in Islam اہلِ علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اس کتاب میں مشاوت کے بارے میں بہت قیمتی اور نادر مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ چوں کہ مشاورت کی دستاویزات، خصوصاً ابتدائی سالوں کی، آسانی سے دست یاب نہیں ہیں، اس لیے ان کو مختلف ذرائع، خصوصاً اس زمانے کے اخبارات اور بعض ذاتی اور تنظیمی مجموعوں سے جمع کیا گیا ہے۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں مستقل فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کی روک تھام اور ہندو مسلم اتحاد اور خیر سگالی کے لیے ۱۹۶۴ء میں آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل

عمل میں آئی تھی۔اس مشترک پلیٹ فارم کا ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل حل کرنے،ان کوراہ دکھانے،ان کے موقف کو واضح کرنے اوران کی لڑائی لڑنے میں نمایاں کردار رہا ہے۔اس کتاب میں مسلمانوں کے حوالے سے ۱۹۶۴ء سے ۲۰۱۵ء تک کے تقریباً تمام بیانات، کارروائی رجسٹروں میں موجودروداد،پمفلٹس،تقاریر،خطبات،انٹرویوز،مشاورت کے بارے میں بعض اخبارات کے اداریوں،خطوط،دستورالعمل وغیرہ کو یک جا کیا گیا ہے۔

ان تاریخی دستاویزات کومحفوظ و مدون کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تبدیلیٔ وقت کے ساتھ حقائق مسخ یا تلف نہ ہونے پائیں اور محققین کومجلسِ مشاورت سے متعلق مواد، جس کی بنیاد پر تاریخ نویسی کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے،اپنی اصل صورت میں بہ آسانی دست یاب ہوسکے۔ یہ دستاویزات اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کی گئی ہیں۔ ان میں کچھ موادمشترک اور کچھ الگ الگ ہے۔ ہرجلد کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے متجاوز ہے۔

معروضی انداز میں تاریخ لکھنا ایک دشوار کام ہے۔ یہ دشواری اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس کی چھان پھٹک کے لیے اولین مآخذ دست یاب نہ ہوں اور مجبوراً دوسرے اورتیسرے درجے کے مآخذ پر انحصار کرنا پڑے۔اس تعلق سے ڈاکٹر ظفرالاسلام خان کا ترتیب کردہ یہ مجموعہ یقیناً معتبر اورمستند مانا جائے گا کہ اس میں انھوں نے انتہائی عرق ریزی سے اولین مآخذ کی تلاش اورچھان پھٹک کے بعد متعلقہ مواد کو جدید سائنٹفک انداز میں زمانی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔

فاضل مرتب نے اس سلسلہ میں جن اخبارات اوررسائل و جرائد سے مواد حاصل کیا ہے،ان میں ریڈینس،دعوت،تجلی،قائد،عزائم،ندائے ملت اوردیگراخبارات کے پرانے ریکارڈ شامل ہیں۔ان میں سے کچھ اخبارات ورسائل تواب بھی جاری ہیں، جب کہ کچھ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ایسے میں تمام مواد کوتلاش اور اکٹھا کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جدید ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلق سے

مستقبل میں اگر کچھ لکھا جائے گا تو اس کتاب کو نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے جو بھی مسائل رہے ہیں انھیں مسلم مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم سے اٹھایا جاتا رہا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس میں ان تمام امور و مسائل کا عکس نظر آتا ہے جن سے ہندوستانی مسلمانوں کو آزادی کے بعد نبرد آزما ہونا پڑا۔ مثلاً فسادات کے بعد جان و مال کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد، تعلیمی اور سماجی ترقی کے لیے پیش رفت، بین الاقوامی معاملات و مسائل میں ہندوستانی مسلمانوں کا موقف، بابری مسجد، آثار قدیمہ اور اوقاف، مسلم پرسنل لا، قانون کا بے جا استعمال وغیرہ۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب ہندوستانی مسلمانوں پر بیتے دردناک المیے کے ساتھ امید ورجا کا در بھی وا کرتی ہے، جس سے جدید ہندوستان کی تاریخ اور حالات کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ ان دستایزات میں ہندوستانی مسلمانوں کے بڑے دانش وروں، مفکروں اور عمائدین کے مضامین، انٹرویوز اور تحریریں شامل ہیں۔ ان میں بانئ مشاورت ڈاکٹر سید محمود کے علاوہ مفتی عتیق الرحمن عثمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، شیخ محمد عبداللہ، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، مولانا محمد مسلم، جناب بدرالدین طیب جی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا مجیب اللہ ندوی، شیخ ذوالفقاراللہ، جناب سید شہاب الدین، مولانا احمد علی قاسمی اور مولانا شفیع مونس وغیرہ شامل ہیں۔ رحمہم اللہ

یہ دستاویزات مسلم تنظیموں، صحافیوں، ریسرچ اسکالرز اور سماجی کارکنان، سبھی کے لیے مفید ہیں۔ اس کتاب کو ہر اہم لائبریری میں ضرور ہونا چاہیے۔ **(محمد علم اللہ)**

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

خبر نامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۵۷)

☆ صدر ادارۂ تحقیق و امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف 'مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' کو علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ انگریزی اور مراٹھی میں اس کا ترجمہ ہو گیا تھا۔ مراٹھی ترجمے کا دوسرا ایڈیشن حال میں اسلامی مراٹھی پبلی کیشنز ٹرسٹ ممبئی سے شائع ہوا ہے۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت -/۱۰۰ روپے۔

☆ مولانا کی ایک دوسری کتاب 'غیر اسلامی ریاست اور مسلمان' کا تمل اور کنڑ میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ حال میں اس کا تلگو ترجمہ تلگو اسلامک پبلی کیشنز ٹرسٹ حیدر آباد نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ صفحات ۷۲، قیمت -/۵۰ روپے۔

☆ مولانا عمری نے یکم شوال ۱۴۳۶ھ/ ۱۸ر جولائی ۲۰۱۵ء کو مسجد اشاعت اسلام نئی دہلی میں عید الفطر کا جو خطبہ دیا تھا اس کی دیدہ زیب طباعت مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے ہو گئی تھی۔ صفحات: ۱۲، قیمت -/۱۲ روپے۔ اب جماعت اسلامی ہند حلقہ تلنگانہ و اوڈیشہ کی طلب پر پانچ ہزار کی تعداد میں اسے مولانا کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔

☆ معاون مدیر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی کتاب 'اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام' ادارۂ تحقیق کے منصوبے کے تحت تیار ہوئی تھی اور مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں مکتبہ قاسم العلوم لاہور نے اسے شائع کر دیا ہے۔

☆ ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں 'رسائل و مسایل' کے عنوان کے تحت فقہی و علمی سوالات کے جو جوابات ڈاکٹر ندوی کے قلم سے شائع ہوتے ہیں، ان کا مجموعہ عرصہ ہوا 'زندگی کے عام فقہی مسایل' کے نام سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے تین حصوں میں شائع ہوا تھا۔ اب اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی سے بھی ان کی اشاعت ہو گئی ہے۔

☆ ادارہ علوم القرآن علی گڑھ ہر سال عصری اہمیت کے حامل کسی موضوع پر سمینار منعقد کرتا ہے۔ اس سال یہ سمینار ۲۰-۲۱ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو 'مسلمانوں اور غیر مسلموں کے

درمیان ربط وتعاون کی بنیادیں – قرآن مجید کی روشنی میں' کے مرکزی موضوع پر منعقد ہوا۔ مولانا سید جلال الدین عمری نے اس کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کی اور صدارتی خطبہ دیا۔ سکریٹری ادارہ ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی نے 'دیگر ادیان کے احترام سے متعلق قرآنی ہدایات' کے موضوع پر اور ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے 'قرآن کریم میں اہل کتاب کی تحسین' کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ ارکانِ ادارہ مولانا ضمیر الحسن فلاحی اور مولانا کمال اختر قاسمی نے بھی بالترتیب 'غیر مسلموں سے عام انسانی تعلقات اور قرآنی تعلیمات' اور 'بین الاقوامی مذاکرات کا قرآنی منہج' کے عناوین پر مقالے پڑھے۔

☆ مولانا عمری نے ۲۱ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو سراج العلوم نسواں کالج علی گڑھ کی مجلس منتظمہ کے اجلاس میں شرکت کی۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اور جناب محمد احمد، سکریٹری ملکی وملّی مسائل جماعت اسلامی ہند بھی شریکِ اجلاس ہوئے۔ اس موقع پر مولانا عمری ادارۂ تحقیق بھی تشریف لے گئے اور اس کے ارکان اور زیر تربیت اسکالرس کے ساتھ ایک نشست کی، ان کے علمی کاموں کا جائزہ لیا اور مطالعہ وتحقیق کے سلسلے میں قیمتی مشورے دیے۔ مسلم یونی ورسٹی ایریا کی مقامی جماعت کے ارکان و وابستگان کے ساتھ بھی نشست ہوئی جس میں مولانا نے خطاب فرمایا۔

☆ مورخہ ۳۰ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو ادارہ کے کانفرنس ہال میں معروف اسلامی اسکالر اور ماہر معاشیات پروفیسر عبدالعظیم اصلاحی (کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ، سعودی عرب) نے 'اسلامی معاشیات – چند قابل غور پہلو' (Gaps in Islamic Economics) کے موضوع پر توسیعی خطبہ پیش کیا۔ صدارت کے فرائض پروفیسر ولید احمد انصاری (چیرمین ڈپاٹمنٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن، اے، ایم، یو علی گڑھ) نے انجام دیئے۔ اہل علم کی معتد بہ تعداد نے پروگرام میں شرکت کی۔ آخر میں سکریٹری ادارہ نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

☆ مورخہ ۱۷ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو ادارہ کے اسکالرس کی علمی انجمن 'رائٹرس فورم' کا ایک پروگرام منعقد ہوا، جس میں ادارہ کے اسکالر محمد طارق اعظم قاسمی نے 'ذہنی تناؤ: اسباب، نتائج اور حل' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ رکن ادارہ ونگراں فورم مولانا ضمیر الحسن فلاحی نے پروگرام کی صدارت کی۔ آخر میں شرکاء کو اظہار خیال اور سوالات کا موقع دیا گیا۔ پروگرام میں وابستگانِ ادارہ کے علاوہ یونی ورسٹی کے متعدد ریسرچ اسکالر شریک تھے۔

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۴، ۲۰۱۵ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرفِ آغاز			
سیرتِ نبوی اور اس کے مآخذ	سید جلال الدین عمری	۱	۵—۱۲
تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار	سید جلال الدین عمری	۲	۱۳۳—۱۴۴
انسانی حقوق اور اسلام	سید جلال الدین عمری	۳	۲۶۱—۲۶۹
عصر حاضر میں دعوت دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار	سید جلال الدین عمری	۴	۳۸۹—۴۰۰
تحقیق وتنقید			
اسلام کی حفاظت واشاعت میں نجاشی کا کردار	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱	۱۳—۲۹
قانون سازی میں عدلیہ کا کردار	ڈاکٹر مقبول حسن	۲	۱۴۵—۱۵۵
حضرات عمرو بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ کا قبول اسلام	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳	۲۷۱—۲۹۸
شاہ ولی اللہؒ کے تفسیری مآخذ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۲۹۹—۳۱۲
مصحف عثمانی کی تدوین: چند تحقیق طلب سوالات	مولانا محمد عمار خاں ناصر	۴	۴۰۱—۴۲۶
تدوینِ قرآن مجید کی روایات کا تجزیہ	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۴	۴۲۷—۴۳۷
بحث ونظر			
شہریت کا مسئلہ—اسلامی نقطۂ نظر	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۱	۳۱—۶۲
سرکاری مناصب وذرائع کا استعمال تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں	جناب عبدالمہیمن	۱	۶۳—۷۸
تکثیری معاشرہ کے لیے قرآنی ہدایات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۱۵۷—۱۸۰
حکومت کے ذرائع آمدنی اور ان کی تحصیل کے بنیادی اصول	ڈاکٹر سعدیہ گلزار	۲	۱۸۱—۲۰۰
مغربی اور اسلامی تہذیبوں میں عورت کا مقام	محترمہ نجم السحر	۲	۲۰۱—۲۱۲
کلام اقبال میں تصور معیشت	ڈاکٹر علی محمد	۲	۲۱۳—۲۲۸
فتویٰ نویسی کا تاریخی ارتقائ	پروفیسر محمد انس حسان	۳	۳۱۳—۳۲۶
مولانا ابوالکلام آزاد اور نظمِ قرآن	ڈاکٹر نشا حلیم	۳	۳۲۷—۳۴۰

عہدِ نبوی میں یمن میں اشاعت اسلام	حافظ محمد سرفراز غنی	۴	۴۳۹–۴۵۶

سیر وسوانح

ابن سید الناس اور ان کی کتاب سیرت	حافظ صبیحہ منیر	۱	۷۹–۹۴
سید شریف رضی اور ان کی کتاب 'نہج البلاغۃ'	جناب ابوطلحہ	۲	۲۲۹–۲۴۱
حضرت عروہ بن زبیر–اولین سیرت نگار	حافظ عبدالغفار	۳	۳۴۱–۳۶۴
مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حاشیۂ صحیح بخاری	ڈاکٹر محمد سلیم	۴	۴۵۷–۴۷۲

ترجمہ وتلخیص

مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۃ فیل ایک تنقیدی جائزہ	شیخ عبدالرحمن المعلمی الیمانی مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۹۵–۱۱۶
تفسیر المبصر لنور القرآن–ایک تعارف	ڈاکٹر عفاف عبدالغفور حمید مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۷۳–۴۹۴

تعارف وتبصرہ

مالیاتی نظام کا قیام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۱۷–×
عرفانِ شبلی	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۱۸–×
شعاعِ نوا	محمد رضوان خاں	۱	۱۱۹–×
قرآنی مطالعات	مولانا جرجیس کریمی	۲	۲۴۰–۲۳۹
مسلم اسپین (تہذیبی وثقافتی تاریخ)	جناب اسامہ شعیب	۲	۲۴۱–۲۴۲
عہدِ اورنگ زیب میں علماء کی خدمات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۲–۲۴۴
فکر کی غلطی	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۴–۲۴۵
دینی رسائل کے اشاریے	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۵–۲۴۶
عصری عائلی مسائل اور دینی تعلیمات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۶۵–۳۶۶
قادیانی مسئلہ (تدوینِ نو)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۶۷–۳۶۹
عصر حاضر کے پُرفریب نعرے	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۷۰–×
مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ: حیات وخدمات	جناب اسامہ شعیب	۳	۳۷۱–۳۷۲
سہ ماہی مجلہ تعلیم وتحقیق اسلام آباد	جناب محمد رضوان خاں	۳	۳۷۲–۳۷۳
تحقیقات مسائل میراث	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۹۵–۴۹۶
دستاویزاتِ مشاورت	محمد علم اللہ	۴	۴۹۶–۴۹۸
خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی ۵۴		۱	۱۲۰–×
خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی ۵۵		۲	۲۴۷–۲۴۸
خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی ۵۶		۳	۳۷۵–۳۷۶
خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی ۵۷		۴	۴۹۹–۵۰۰

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۴، ۲۰۱۵ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
ابوطلحہ	سید شریف رضی اور ان کی کتاب ''نہج البلاغۃ''	۲	۲۲۹–۲۴۱
اسامہ شعیب	مسلم اسپین (تہذیبی وثقافتی تاریخ) (تبصرہ)	۲	۲۴۱–۲۴۲
''	مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ: حیات وخدمات ('')	۳	۳۷۱–۳۷۲
الیمانی، عبدالرحمن	مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل—ایک تنقیدی جائزہ	۱	۹۵–۱۱۶
حسان، محمد انس	فتوی نویسی کا تاریخی ارتقائ	۳	۳۱۳–۳۲۶
حمید، عفاف عبدالغفور	تفسیر المبصر لنور القرآن—ایک تعارف	۴	۴۷۳–۴۹۴
رضوان خاں، محمد	سہ ماہی مجلہ تعلیم وتحقیق اسلام آباد (تبصرہ)	۳	۳۷۲–۳۷۳
''	شعاع نو ('')	۱	۱۱۹–x
سعدیہ گلزار	حکومت کے ذرائع آمدنی اور ان کی تحصیل کے بنیادی اصول	۲	۱۸۱–۲۰۰
صدیقی، محمد یٰسین مظہر	اسلام کی حفاظت و اشاعت میں نجاشی کا کردار	۱	۱۳–۲۹
''	تدوینِ قرآن مجید کی روایات کا تجزیہ	۴	۴۲۷–۴۳۷
''	حضرات عمر بن العاصؓ، خلد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ کا قبول اسلام	۳	۲۷۱–۲۹۸
عبدالغفار، حافظ	حضرت عروہ بن زبیرؒ— اولین سیرت نگار	۳	۳۴۱–۳۴۶
عبدالمہیمن	سرکاری مناصب وذرائع کا استعمال—تعلیمات نبوی کی روشنی میں	۱	۴۳–۷۸
علم اللہ، محمد	دستاویزاتِ مشاورت (تبصرہ)	۴	۴۹۶–۴۹۸
علی محمد	کلامِ اقبال میں تصوّرِ معیشت	۲	۲۱۳–۲۲۸
عمری، سید جلال الدین	انسانی حقوق اور اسلام	۳	۲۶۱–۲۶۹
''	تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار	۲	۱۳۲–۱۴۴
''	سیرت نبوی اور اس کے مآخذ	۱	۵–۱۲

،،	عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار	۴	۳۸۹—۴۰۰
غنی، محمد سرفراز	عہد نبوی میں یمن میں اشاعت اسلام	۴	۴۳۹—۴۵۶
قاسمی، اختر امام عادل	شہریت کا مسئلہ — اسلامی نقطۂ نظر	۱	۳۱—۶۲
کرمی، محمد جرجیس	قرآنی مطالعات (تبصرہ)	۲	۲۳۹—۲۴۰
محمد سلیم	مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حاشیۂ صحیح بخاری	۴	۴۵۷—۴۷۲
مقبول حسن	قانون سازی میں عدلیہ کا کردار	۲	۱۴۵—۱۵۵
ناصر، محمد عمار خان	مصحف عثمانی کی تدوین: چند تحقیق طلب سوالات	۴	۴۰۱—۴۲۶
نجم السحر	مغربی اور اسلامی تہذیبوں میں عورت کا مقام	۲	۲۰۱—۲۱۲
ندوی، محمد رضی الاسلام	تحقیقات مسایلِ میراث (تبصرہ)	۴	۴۹۵—۴۹۶
،،	تفسیر المسصر لنور القرآن (ترجمہ)	۴	۴۷۳—۴۹۴
،،	تکثیری معاشرہ کے لیے قرآنی ہدایات	۲	۱۵۷—۱۸۰
،،	دینی رسائل کے اشاریے (تبصرہ)	۲	۲۴۵—۲۴۶
،،	شاہ ولی اللہ کے تفسیری مآخذ (،،)	۳	۲۹۹—۳۱۲
،،	عرفان شبلی (،،)	۱	۱۱۸—x
،،	عصر حاضر کے پرفریب نعرے (،،)	۳	۳۷۰—x
،،	عصری عائلی مسائل اور دینی تعلیمات (،،)	۳	۳۶۵—۳۶۶
،،	عہد اورنگ زیب میں علماء کی خدمات (،،)	۲	۲۴۲—۲۴۴
،،	فکر کی غلطی (،،)	۲	۲۴۴—۲۴۵
،،	قادیانی مسئلہ — تدوین نو (،،)	۳	۳۴۷—۳۶۹
،،	مالیاتی نظام کا قیام (،،)	۱	۱۱۷—x
،،	مولانا فراہی کی سورۂ فیل ایک تنقیدی جائزہ (ترجمہ)	۱	۹۵—۱۱۶

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI

ALIGARH

Vol. 34 No.4

October - December 2015

Editor

Syed Jalaluddin Umari

Asstt. Editor

Mohammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur) P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net

Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **The Importance of Islamic Dawah in the Modern Age and Its Methodology**
Maulana Syed Jalaluddin Umari 5

2. **The Compilation of Uthmanian Copy of the Qur'an: Some Ascertainable Questions**
Dr. Muhammad Ammar Khan Nasir 17

3. **Analysis of Traditions of Quran Compilation**
Prof. M.Yaseen Mazhar Siddiqui 43

4. **Preaching of Islam in Yemen in Prophet's Period**
Hafiz Muhammad Sarfaraz Ghani 55

5. **Maulana Qasim Nanotvi aur Hashiya-e-Sahih Bukhari**
Dr. Muhammad Saleem 73

6. **Tafseer al-Mubsir li-Nooril Qur'an - An Introduction [Complete commentary on the Qur'an by a woman]**
Dr. Afaf Abdul Ghafoor Hameed 89

7. **Book Reviews** 111

8. **Activities of Idara-e-Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** 115

9. **Annual Index of Articles and Authors, Tahqeeqat-e- Islami,Vol:34 , 2015** 117

Abstract of the Articles

The Importance of Islamic Dawah in the Modern Age and Its Methodology

Maulana Syed Jalaluddin Umari

President Idara-e-Tahqeeq & Ameer Jamaat-e-Islami Hind

Maulana Syed Jalaluddin Umari, on the invitation of Jamaat-e-Islami Pakistan, visited that country to participate in its 3-day All Pakistan conference in November 2014. During his visit, he delivered a lecture on "The Importance of Islamic Dawah in the Modern Age and Its Methodology"(*Asr Hazir mein Dawat-e-Deen ki Ahmiyat aur Iska Tariqua-e-Kaar*) at Sheikh Zayed Islamic Centre, University of the Punjab, Lahore on 20th November 2014. This lecture, after revision, has been presented in this article.

The Maulana said that the very purpose of naming Prophets was that people be acquainted with what is the right way and what is the wrong way of life, and then, exercising their free will, adopt their way of choice. The proper method of Dawah is that Islamic teachings are presented to them with utmost wisdom and insight and a dialogue is initiated with them. This work, in fact, is for the entire Ummah to do. The need is that the Ummah prepare some people especially for this work. Inviting people to virtues and prohibiting them against vices is the responsibility of governments as well as individuals. Thus, both the tasks of making the Deen of Allah reach out to all human beings and of removing the social ills that might develop within the Ummah are important.

The Compilation of Uthmanian Copy of the Qur'an: Some Ascertainable Questions

Dr. Muhammad Ammar Khan Nasir

Asst. Professor, Dept. of Islamic Studies

Government University, Gujranwala, Pakistan

ammar.nasir@gift.edu.pk

As far as the task of collecting the texts of the Holy Qur'an and compiling them is concerned, the efforts made during the regime of the third Caliph Hazrat uthman ibn Affan hold fundamental importance in the history of compilation of the Holy Qur'an. According to historical narrations, on his express order the Holy Qur'an was compiled and its copies were sent to the various

regions of the Muslim world and people were asked to recite the Holy Qur'an in strict accordance with this, while all other copies were destroyed.

There is some partial difference of opinion found in the narrations related to it. For example, according to most narrations, it was Syedna Hudhaifa who drew the attention of Hazrat Uthman ibn Affan towards this task, while some other narrations have it to say that keeping in view the difference in the way Muslims used to recite the Holy Qur'an, Hazrat Uthman himself felt the need for it. Likewise, according to some narrations, the place of the said difference in the way of recitation was said to be Kufa, while according to some other narrations, Syedna Hudhaifa experienced this difference in the battlefields of Arminia and Azerbaijan.

Notwithstanding the said partial differences, some important questions have come to the fore regarding the preparation of the Qur'an copy during the regime of Caliph Uthman. For example, whether Hazrat Uthman simply got prepared copies of the Mushaf commissioned by Caliph Abu Bakr Siddique and sent them to the various cities, or whether he got collected and compiled the text of the Qur'an afresh? Secondly, what was the particular nature of differences in recitation of the Qur'an which Hazrat Uthman wanted to bring to an end with the help of this Mushaf? Thirdly, what was the relationship of the recitation which the Uthmanian Mushaf was based on and the text of the Qur'an recorded therein with the recitation of *Ardha-e-Akhira* (the style of recitation used by the Prophet and Angel Jibraeel in Ramadhan in the last year of the Prophet's last time)? Fourthly, why didn't Caliph Uthman and all the companions of his time, while getting an agreed-upon Mushaf compiled for the Ummah, consider the final and revised recitation of *Ardha-e-Akhira* as its base; and why was Hazrat Abdullah ibn Masood, whom the Prophet persuaded people to learn the Qur'an with and who having been present on the occasion of *Ardha-e-Akhira* could have identified the abrogated and modified places therein, ignored outright?

This article presents before the scholars the above mentioned questions related to the compilation of the Uthmanian Mushaf, so that these questions might be considered with much concentration and in their light the available traditions might be analysed in greater detail.

Analysis of Traditions of Quran Compilation

Prpf.M.Yaseen Mazhar Siddiqui
Ex.Chairman,Dept. of islamic Studies
Aligarh Muslim University Aligarh
mnzdigitalpoint@gmail.com

This analytical paper attempts at focussing on some essential features of the compilation of the Qur'an.

The Holy Qur'an was revealed to the Last Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be to him) in the language of the Quraysh which was unanimously accepted as the standard dialect of Arabic.

The revealed verses of all the surahs were recited, memorised and written soon after the Angelic transmissions.

Recitation (*qira'at*) and written parts (*maktub*) of the Qur'an were in complete consonance and synchronised verbatim with each other.

4. The prevalent script in the Prophetic period accommodated all the seven words (*qira'at*) : *sabat-i ahruf* granted by Allah for easy recitations of the Ummi Ummah provided that they remain within the framework of the standard script.

The first real copy (mushaf) was prepared and standardised during the Khilafat of Hazrat Abu Bakr from different sheets/ pieces on which the verses were jotted down during the time of the Prophet.

The order of all the surahs and internal order of all the verses of each surah were codified and determined by the Prophet along with the qira'at (*sabat-i ahruf*) which was perfected by the annual mudarasah/muzakarah of the Prophet with Hazrat Jibrail (AS) in all the Ramadans during the period of Revelation; there was no difference or divergence in any annual mudarasah; they all synchronised with each other.

The first and real copy of the Qur'an served as the basis for the final compilation undertaken by the third Khalifa Hazrat Usman (RA) who got prepared/transcribed seven masahif (copies) as the role model for the whole World in the standard script which came to be known later as the *Rasm-i-Uthmani*; all other masahif were destroyed in order to achieve Unanimity.

All the final and real editions/transcriptions

accommodated all the seven *ahruf* which were faithfully adhered to by all the Sahabah in their individual written masahif as well as in their recitations; disturbing or flouting of the standard scheme of the Rasm-i-Uthmani was not allowed.

Different qira'at which are ascribed to great Sahabah with additions and omissions or disturbing the *Rasm-i-Usmani* are not genuine and in case of their authenticity they fall in the category of commentary or meaning or simplification.

Mischievously enough, efforts are made by several people to accept and project the *Shaz* (rare) or unauthorised recitations (*qira'at*) as the real ones, hoodwinking the Unanimously and Universally accepted version of the Qur'an which, quite miraculously, entertain no differences or divergences.

Preaching of Islam in Yemen in Prophet's Period

Hafiz Muhammad Sarfaraz Ghani
PG Scholar, G.C. University, Faisalabad (Pakistan)
hafizsarfraz786@yahoo.com

Before the advent of Islam, Yemen was the most advanced region in Arabia. Allah the Almighty has also beautifully narrated its glorious and significant status in Surah Saba (15-19) of the Holy Qur'an. When the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be to him) started preaching of Islam, there were many Yemenis who accepted Islam during the Makkan period. Some of them were Ammar ibn Yasir, Al-Ala'a Al-Hadrami, Miqdad ibn Aswad, Abu Musa Ashaari, Toufail ibn Amr Dausi and Sharhabeel ibn Hasana. Seeing the interest of the Yemenis in the message of Allah, first of all, the Holy Prophet sent his cousin Hazrat Ali to Sana'a and its surroundings around 630 C.E. After that the Holy Prophet sent many other messengers to Yemen such as Muadh ibn Jabal, Abu Musa Ashaari, Tofail ibn Amr Dausi and Amr ibn Hazm, etc. They were really an embodiment of truthfulness, piety, patience, courage and devotion for the people of Yemen. These disciples of the Holy Prophet faced all the challenges eagerly, confidently and bravely. Therefore, it can be said that they played the central part in disseminating the message of Islam among the non-believers of Yemen.

The last Prophet of Allah the Almighty also dispatched letters to various tribal leaders. These preaching letters played a dynamic and glorious role to change the mindset of the pagans and the Chiefs and the people of Yemen. Due to these circumstances, all the major tribes of Yemen sent their delegations to Madina Munawwara during the year of the delegation around 630-631 C.E. At last, all these above mentioned efforts proved fruitful and Yemen became the part of Islamic Kingdom in 631 C.E.

Maulana Qasim Nanotvi aur Hashiya-e-Sahih Bukhari

Dr. Muhammad Saleem
Associate Professor, Dept. of Theology (Sunni)
Aligarh Muslim University, Aligarh
msaleem196330@gmail.com

Maulana Qasim Nanotvi (1832-1880) was one of the great outstanding personalities who committed the entire life to the service of Islam. The invaluable services he rendered to Islam during the 48-year short span of his life are unforgettable.

After the establishment of Darul Uloom Deoband, countering the mischiefs of Christianity and Arya Samaj was the greatest memorable work of Maulana Nanotvi. He often held dialogues with Christian priests and Hindu scholars, wherein he stood victorious. He proved the truthfulness of Islam in these dialogues. Many a time, the rival had no way to adopt other than to escape.

Maulana Qasim Nanotvi wrote many precious books and articles on the various aspects of popularisation and dissemination of Islamic knowledge as well as of repudiation of falsehoods. Most of them have been published; for example, *Hujjat-ul-Islam, Intisar-ul-Islam, Tuhfa-e-Lahmiya, Jawab Turki ba Turki baa Braheen-e-Qasmiya, Qibla Numa, Taqreer-e-Dil Pazeer, Aab-e-Hayat and articles like Hadiyatus Shia and Tauthiqul Kalam,* etc.

One of his great works is writing footnotes on Sahih Bukhari. He wrote these footnotes on the last five Paras of Bukhari. The scholars know that the last Part of Sahih Bukhari, in one view, holds special significance; for in this part Imam Bukhari has commented rather severely on Imam Abu Hanifa, saying "*Qala*

Ba'zun Naas", which seems to be belligerent. It was not easy for a person belonging to the Hanafi sect to write footnotes thereon.

Though Maulana Nanotvi has not contributed any full-length work to Hadith literature, yet the footnotes he has written on the last part of Sahih Bukhari show his deep study and profound insight. This article analyses these footnotes of the Maulana, and brings into light its importance with the help of examples.

Tafseer al-Mubsir li-Nooril Qur'an - An Introduction [Complete commentary on the Qur'?n by a woman]

Dr. Afaf Abdul Ghafoor Hameed

Associate Professor, Dept. of Theology, Faculty of Shari'ah, Sharja University, UAE

Tr.: Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi

mmadvi@yahoo.com

The Qur'an addresses both men and women. This is why women, like men, have participated right from the beginning in the process of understanding and brooding over the Qur'an and in the preaching and propagation of its teachings. But unfortunately despite a plenty of works in the field of teaching and writing on the Qur'an, no considerable work in this field by women appears. Their writings in this field scarcely come to the fore. In the modern age, however, a few works in the field of Qur'anic science by women have appeared. But I did not know whether any woman has written complete commentary on the Qur'an.

This article introduces Mrs. Naila Hashim Sabri's Tafseer *al-Mubsir li-Nooril Qur'an*, and having done an analytical study of it throws light on its salient features.

Book Reviews

1. *Tahqeeqat Masael-e-Miras* (Research on Issues related to Inheritance) Shaikh Saleh Al-Fauzan Tr Abu Khalid Samiullah Faizi, Marwa Publication N Delhi-25, 2015, Pages: 268 Price: IRs 200/-
2. *Dastavezaat-e-Mushawart* (Mushawarat Documents) Com Dr. Zafarul Islam Khan, Pharos Media D-84, A F Enclave, Jamia Nagar, N Delhi-25, 2015, Pages: 1086, IRs 1200/-

قادیانی مسئلہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ترتیب وتدوین نو

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

وہ کتابچہ جسے لکھنے کی پاداش میں مولانا مودودیؒ کو پھانسی کی سزا سنائی گئی، لیکن بعد میں شدید عوامی ردعمل اور عالمی احتجاج کی بنا پر اسے منسوخ کردیا گیا۔

ردقادیانیت پر انتہائی موثر تحریر اور مضبوط ترین دلائل۔

ترتیب وتدوین نو میں اصل کتابچہ کے ساتھ تحقیقاتی عدالت میں مولانا کے بیانات اور 'رسائل و مسائل' میں قادیانیت سے متعلق قیمتی مواد کو بھی شامل کردیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب زیادہ جامع اور مفید ہوگئی ہے۔ اس سے ان شاء اللہ قادیانیت کے خدوخال کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

● سائز: 23x36/16 ● صفحات: 132 ● قیمت: 72.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔25

D-307,Dawat Nagar,Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar,New Delhi-110025

Phone: 26981652,26984347 Fax: 26987858

E-mail: mmipublishers@gmail.com • Website: www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

October ....2015 — December 2015

Mob. 09897655171
Phone: 0571-2902034

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیات قرآن	۳۲۵/	۲۲	اوراق سیرت	۲۵۰/
۲	اسلام - انسانی حقوق کا پاسبان	۵۵/	۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/	۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے عملی تقاضے	۵۲/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵/	۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۴۰۰/	۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۲۵/
۶	خدا اور رسول کا تصور - اسلامی تعلیمات میں	۱۳۰/	۲۷	خدا کی غلامی - انسان کی معراج	۱۴/
۷	معروف و منکر	۱۸۵/	۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۸	اسلام کی دعوت	۴۰۰/	۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/	۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۰/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/	۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۱۱	عورت - اسلامی معاشرے میں	۱۸۰/	۳۲	انسانوں کی خدمت - اسلام کی نظر میں	۱۶/
۱۲	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۱۰۰/	۳۳	جماعت اسلامی ہند - پس منظر، خدمات اور طریق کار	۳۵/
۱۳	عورت اور اسلام	۶۰/	۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۵/
۱۴	اسلام کا عائلی نظام	۹۰/	۳۵	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۱۵	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۱۵/	۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۴۰/
۱۶	قرآن کا نظام خاندان	۱۸/	۳۷	وقت حساب	۱۵/
۱۷	بچے اور اسلام	۱۰/	۳۸	آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچائیے	۱۰/
۱۸	اسلام - ایک دین دعوت	۱۰/	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۵/
۱۹	دعوت و تربیت - اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۲۰	ہندوستان میں اسلامی دعوت - اہمیت و تقاضے	۵/	۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۲۱	قرآن مجید کا تصور زوجیت	۱۸/	۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:
۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، رضی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ - ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی - ۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی - ۲۵